ماہنامہ
الحَلِیّۃ
فیصل آباد پاکستان
شوال المکرم ۱۴۳۱ھ بمطابق ستمبر، اکتوبر 2010ء

عید سعید

ہمارا ملک مفلس نہیں!

ہمارا ملک مفلس نہیں، بلکہ ہم نے اپنی عیاشیوں سے اسے خود مفلس بنایا ہوا ہے، ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے مگر ہمارا کردار ایسا ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود ہم مفلس ہیں ہم نے اپنا سب کچھ غیر کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ وگرنہ اگر دیکھا جائے تو صرف تھر کے علاقے میں کوئلے کے ذخائر ۸۵۰ ارب مکعب فٹ ہیں، ان کا صرف دو فیصد استعمال کر کے بیس برس کے لئے چالیس ہزار میگاواٹ سالانہ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ یعنی ترقی کی رفتار چین جیسے ملک سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ پاکستان پٹرول میں دنیا کا دسواں، سونے میں پانچواں، تانبے میں ساتواں، اور پانی کے ذخائر میں دنیا کا نواں امیر ترین ملک ہے۔ ہم دنیا میں کھجور پیدا کرنے والی دوسری، گندم اور چاول پیدا کرنے والی ساتویں بڑی مملکت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہیں۔ اس کے باوجود ہم لوگ اتنے مفلس ہوگئے ہیں کہ بنگلہ دیش جیسا گیا گذرا ملک ہمیں سیلِ آب کے لئے امداد کی مد میں بیس لاکھ ڈالر دیتا ہے اور ہم اپنے دشمن ملک بھارت سے پچاس لاکھ ڈالر امداد کے طور پر بھیک لیتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔ اس لئے کہ ہمارے مغرور سر اُس اللہ جو کہ رحمٰن اور رحیم ہے کے سامنے نہیں جُھکتے کیونکہ ہمارے لیڈروں کا ایمان ہے کہ یہ مسئلہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کی باغی عالمی برادری حل کرسکتی ہے۔

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابنِ نفیس مولانا حبیبُ الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ

حضرت سیّد نفیس الحُسینی رحمہ اللہ

حسرت

رَمَضاں بھی گُزر گیا یوں ہی — چڑھ کے آیا، مگر گیا یوں ہی

مَوج آئی نہ کوئی ساحِل تک — دِل کا دَریا اُتر گیا یوں ہی

ماہِ نَو عِشق کی طَرح آیا — ہم پہ اِلزام دَھر گیا یوں ہی

کیا سُہانی سُہانی راتیں تھیں — خواب تھا جو بِکھر گیا یوں ہی

دامنِ دِل نہ بھر سکا اَب کے — موسمِ گُل گُزر گیا یوں ہی

لگ رہی ہے فضا اُداس اُداس — ہائے سُنسان کر گیا یوں ہی

ذکرِ جاناں سے جاں میں جاں آئی — زیست کا رُخ نِکھر گیا یوں ہی

اُنؐ کا غم تو مُحیطِ عالَم ہے — میرے سینے میں بھر گیا یوں ہی

سَفرِ حج بہُت مُبارک ہے — کیا کریں گے، اگر گیا یوں ہی

اللہ اللہ اُس کا بَخت نفیسؔ

جو مَدینے میں مَر گیا یوں ہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
مِلّیہ
فیصل آباد پاکستان

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

شوال المکرم ۱۴۳۱ھ
جلد نمبر 6
بمطابق
ستمبر، اکتوبر 2010ء
شمارہ نمبر 10

فہرست مضامین

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

حضرت سید نفیس الحسینی
رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ و سرپرست

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر
جواد الرحمٰن لدھیانوی

مدیر
حماد الرحمٰن لدھیانوی

فی شمارہ 20 روپے   پاکستان میں سالانہ 200 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 40 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملیہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر......حبیب الرحمٰن لدھیانوی   مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

کلمة الحبیب

سیلِ آب یا خدائی عذاب

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

اگر یہ عذاب نہیں تو پھر انسانی وسائل سے اس کو روک کیوں نہیں دیا گیا؟۔اتنی ہلاکتیں کیوں ہونے دی گئیں؟۔دو کروڑ کے قریب افراد بے گھر کیوں ہو گئے؟۔پوری دنیا میں ہاہا کار کیوں مچی ہوئی ہے؟۔امداد کی اپیلیں کیوں ہو رہی ہیں؟۔کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے ہماری اپیل پر کان نہیں دھرا؟۔دنیا کا ہم پر سے اعتماد کیوں اُٹھ چکا ہے؟۔

یہ وہ سوالات ہیں جو کہ ہم سے کیے جا رہے ہیں۔کیونکہ ہمارے دانشور اس بات پر مصر ہیں کہ یہ عذاب نہیں صرف سیلِ آب ہے،ایسا ہوتا رہتا ہے۔پھر ساتھ یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ یہ عذاب پسماندہ علاقوں میں ہی کیوں آتے ہیں انہوں نے کیا گناہ کیا ہے۔

مگر اب تو سیلِ آب تمام ترقی یافتہ علاقوں تک پہنچ گیا ہے۔بڑے بڑے شہر منہدم ہو گئے۔بڑی بڑی عمارتیں زمیں بوس ہو گئیں۔بڑے بڑی خوبصورت سڑکیں بہہ گئیں۔باغات،جنگلات،کھیت،کھلیان،جاگیروں کا تو پوچھنا ہی کیا۔بڑے بڑے جاگیردار اپنی جاگیریں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ایسی تیار فصلیں جن کا کٹنا ہی ابھی باقی تھا اور مارکیٹ میں ان کے سودے بھی طے ہو چکے تھے،تمام کی تمام ملیامیٹ ہو گئیں۔جن کا سب کچھ لٹ گیا وہ تو اب استغفار بھی کر رہے ہیں اور امداد کے لئے ہاتھ بھی پھیلا رہے ہیں،مگر ہمارے لکھنے والے وہ سیکولر فاشسٹ جنکے گھروں تک پانی نہیں پہنچا،اس کو عذاب الٰہی ماننے کے لئے تیار نہیں۔

مجھے ایک صاحب نے کہا کہ ان کے لئے بھی دعا کرو کہ ایک موج الٰہی ان کی طرف بھی آ جائے،میں نے عرض کیا کہ ان چند بھٹکے ہوئے لوگوں کو عبرت بنانے میں کئی دوسرے بھی بے موت مارے جائیں گے۔ان کے لئے اللہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار فرمائے گا اور ان کو پھر بھی خبر نہ ہو گی۔

یہ وقت تو اللہ سے گڑ گڑا کر معافی مانگنے کا تھا مگر اس پر سیاست اور فلسفہ شروع کر دیا گیا

ہے۔ یہ وقت ان گھِرے ہوئے لوگوں کی مدد کا ہے مگر یہ لوگ اپنی سیاست چمکانے لگے ہوئے ہیں۔لوگوں سے امداد کی اپیلیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر اس ملک کو لوٹ کر بیرونِ ملک جو جائیدادیں بنائی گئی ہیں ان کو بیچ کر ان مجبور لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

ہم پاکستانی لوگوں سے امداد کی اپیل تو کرتے ہیں مگر جن کا خود سب کچھ لُٹ گیا ہو وہ کسی کی کیا امداد کریں گے۔امداد وہی کر سکتا ہے جس کا سب کچھ محفوظ ہو،جن لوگوں نے بیرون ملک جائیدادیں خرید رکھی ہیں،جن کے محلات ہیں،جن کے بنک بیلنس بیرن ملک اربوں ڈالروں میں محفوظ ہیں وہ لوگ اپنی تجوریوں کا اگر چالیسواں حصہ (جو کہ زکوٰۃ کا نصاب ہے) بھی ہمارے ملک میں لے آئیں تو ہمارے ملک کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

آج ہم پر کوئی اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں۔نہ اپنا اعتماد کرتا ہے اور نہ ہی غیر۔جبکہ صورت حال یہ ہے کہ سیلِ آب کے باعث لاکھوں ٹن زرعی بیج ضائع ہو گئے ہیں اور خطرہ ہے کہ سیلِ آب کے بعد اجناس کی کاشت متاثر ہو گی۔سیل آب اُتر جائے گا تو مصیبت ٹل نہیں جائے گی، بلکہ نئی اور بڑی مصیبت کی شروعات ہو جائی گی جس کی تیاری نہیں کی جا رہی۔مصیبت اتنی بڑی ہے کہ ابھی اس کی تصویر کشی نہیں ہو سکتی۔لاکھوں گھر ڈھے گئے وہ کیسے بنیں گے،بے شمار پُل سڑکیں اور عمارتیں تباہ ہو گئیں ہیں ان سب کے پھر سے تعمیر ہونے تک زندگی پہلے جیسے نہیں ہو سکتی۔

اور یہ تعمیر بے حساب سرمایہ اور لمبا وقت مانگتی ہے۔پھر سیلِ آب آزدہ علاقوں میں وبائیں پھوٹیں گی۔بہت سے علاقوں میں بیماریاں ابھی سے پھیلنے لگی ہیں۔اس مصیبت سے نمٹنے کے لئے بہت بڑی مقدار میں دوائیں،اتنی ہی بڑی تعداد میں ڈاکٹر اور طبی عملہ اور پھر انہیں متاثرہ علاقوں تک پہنچانے کے لئے غیر معمولی اور ہنگامی مواصلاتی نظام کی ضرورت ہے۔یہ سب دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔اوّل یہ کہ بہت بڑی رقم کی ضرورت ہو گی،دوسرے یہ کہ اسے خرچ کرنے کے لئے شفاف نظام ہونا چاہیے۔جبکہ ہمارے حکام اور افسر شاہی کا شفافیت سے کتنا تعلق ہے؟ گویا تباہی کے اندر نئی تباہی نکلتی رہے گی۔اس سلسلے میں ہمارا بڑا ادارومدار دعاؤں پر ہو گیا ہے کہ اللہ ہمارے بڑوں کے دل میں کچھ رحم ڈال دے۔

ہم اپنے بڑوں کو تو کوستے ہیں جبکہ ہم عوام میں سیلِ آب کی وجہ سے کتنا خوف پیدا ہو گیا ہے

؟ کوئی اور ملک ہوتا تو توبہ تائب ہو گیا ہوتا۔ لیکن ہمارا باوا آدم ہی نرالا ہے، ہمارے ہاں ہر کام سارے زمانے سے الگ ہے۔

ذخیرہ اندوز پہلے کی طرح بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ذخیرہ اندوزی کر رہے ہیں۔ بلیک کرنے والوں کا نامہ اعمال پہلے سے بھی زیادہ کالا ہو رہا ہے، مہنگائی کرنے والوں کو اور زیادہ موقع مل گیا ہے، ٹارگٹ کلنگ اور زیادہ ہو گئی ہے، ڈاکوؤں کی فتوحات پہلے سے زیادہ ہو گئی ہیں، بچے اسی طرح اغواء ہو رہے ہیں۔ علماء کرام کی تضحیک اسی طرح جاری ہے، دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے اُسی طرح قرار دیا جا رہا ہے، اسلامی شعائر کا مذاق روز افزوں ہے، بے حیائی کے اڈے پہلے سے زیاد پھیلتے چلے جا رہے ہیں، ہر کاروباری یا عوامی رابطے میں عورتوں کو آگے کر دیا گیا ہے۔ سرکاری سطح پر ثقافت کے نام پر راگ و رنگ کی محفلیں پہلے سے زیادہ منعقد کی جا رہی ہیں۔ گویا کہ ہم لوگوں نے اللہ کی پرواہ ہی کرنی چھوڑ دی ہے۔

ہمارے ملک کے صدر اور وزیر اعظم کی زبان پر توبہ و استغفار کا لفظ ابھی تک نہیں آیا۔ وہ جب بھی بولتے ہیں تو یہی الفاظ ہوتے ہیں کہ ہم قدرتی آفات کا مقابلہ کریں گے۔ الطاف حسین چاہے جتنا بھی بُرا ہے مگر اس نے توبہ و استغفار کے لئے تو لوگوں کو کہا ہے۔

جب بھی اس ملک پر کوئی آفت ٹوٹتی ہے تو ملک کی ایسی رفاحی تنظیمیں جن میں اسلامی حمیت اور خدمت خلق کا جذبہ ہوتا ہے سب سے پہلے مجبور و بے بس لوگوں کی مدد کو پہنچتی ہیں۔ اس کے اثرات دوررس ہوتے ہیں، ان کے اس خدمت خلق کے جذبے سے کئی بھولے بھٹکے لوگ راہِ راست پر آ جاتے ہیں۔ اور یہ ہمارے یورپی آقاؤں کو منظور نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ سمیت پورا یورپ میڈیا پر چیخ رہا ہے کہ سیلِ آب میں آفت زدہ لوگوں کو مرنے دو، بے آسرا لوگوں کو کھلے آسمان کے نیچے بے یار و مددگار چھوڑ دو، لیکن وہ لوگ جن کے اندر انسانی ہمدردی اور خدا کا خوف ہے، جن کے ماتھوں پر محرابیں ہیں، جن کے چہروں پر داڑھیاں ہیں، اور جو اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لئے پاکستان کے ان مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے نا چاہتے ہیں، ان کو ان کے قریب نہ آنے دو۔

امریکہ و یورپ اور بھارت کا تمام میڈیا اس مصیبت کی گھڑی میں انسانیت کی مدد کو بھول کر ایک ہی رَٹ لگا رہا ہے کہ اگر انسانیت کے ان ہمدردوں اور ان خدا کا خوف رکھنے والے ”دہشت

گردوں'' نے سیلِ آب زدگان کی مدد کردی تو دنیا کے سامنے حکومتی نااہلی اور بددیانتی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ سب کو ۲۰۰۵ء کا زلزلہ یاد آرہا ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لئے جو تنظیمیں سب سے پہلے پہنچیں وہ وہ تھیں جن کے اندر خدا کا خوف اور انسانی ہمدری کے ساتھ ساتھ اسلامی شدت پسندی کا لاحقہ لگا ہوا تھا۔ یہ تنظیمیں سب سے پہلے سنگلاخ پہاڑوں اور بہتے ندی نالوں میں بے خوف وخطر ہو کر پہنچیں۔ یہ اسلامی شدت پسند امریکہ اور یورپ کے ''ملعون'' ہیں۔ جن کو عالمی اور ہمارے آزاد میڈیا نے بڑی محنت سے دہشت گرد بنا کر پیش کیا تھا۔

ان پر پابندیا لگائی گئیں، ان کے دفاتر سیل کئے گئے، ان کے فنڈ منجمد کئے گئے، مگر پھر بھی یہ تنظیمیں ایسی ڈھیٹ ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح سے مظلوم عوام کی مدد کے لئے پہنچ جاتی ہیں۔ یہ تنظیمیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کام کررہی ہیں۔

ان کو باقاعدہ روکا جارہا ہے بلکہ ہمارے ملک کے وزیرداخلہ صاحب نے یہاں تک حکم دیدیا ہے کہ جہاں بھی ان تنظیموں کا کارکن ملے اسے فوراً گرفتار کرلیا جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ داڑھیوں والے، یہ پگڑیوں اور ٹوپیوں والے، چونکہ دل میں خدا کا خوف رکھتے ہیں، اسی لئے پوری قوم ان پر عتماد کرتی ہے اور انہی کو چندہ دیتی ہے اور انہی کو مصیبت میں اپنا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ ورنہ حکومتی کارگزاری کا عالم یہ ہے کہ

برطانیہ کا ''ڈیلی ٹیلی گراف'' لکھتا ہے ۲۰۰۵ء کے زلزلہ میں صرف غیر ملکی امداد جو کہ ۴۳/ارب رپیہ تھی اس میں سے صرف دس ارب کا حساب ہے باقی ۳۳/ارب روپے کہاں گئے۔ وہ دس ارب بھی حکومت نے زلزلہ زدگان کی امداد کی بجائے اپنی دیگر من پسند سکیموں میں لگا دیئے۔ جبکہ عوام کی طرف سے ان مذہبی تنظیموں کو دیئے گئے ایک ایک پیسے خرچ کا حساب موجود ہے۔

دوسرے اس لئے کہ یہ مذہبی تنظیمیں ہماری حکومت کی کمائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں۔ سیلِ آب ان لوگوں کے لئے زحمت ہے جن کا سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا، زندگی کی کمائی لُٹ گئی، جن کا کچھ بھی باقی نہیں رہا، جو عرش سے فرش پر آ گئے۔

مگر ہماری حکومت کے کارپردازوں کے وارے نیارے ہو گئے۔ اگر چہ ہماری قوم نے ان پر عدم اعتماد کردیا اور کوئی بھی ان کو کچھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ مگر امریکہ اور یورپ اپنی مجبوریوں کے

پیشِ نظر ہم پر ڈالروں کی برسات کرنا چاہتے ہیں، لیکن اپنی شرائط کے ساتھ۔ ان کی مجبوری وہی ہے کہ ان دہشت گرد تنظیموں کے ایثار و قربانی کے جذبے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی ہمدردی بڑھ نہ جائے۔ امریکہ اور یورپ کی مجبوریوں کو ہمارے سمجھدار حکمران کیش کرانا چاہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کے جہاندیدہ صدر صاحب نے سیلِ آب کی تباہ کاریوں سے نمٹنے کے لئے ان جفاکش تنظیموں سے مشورہ کرنے کی بجائے ان این۔جی۔اوز۔ کو بلایا جو کہ بیرونی آقاؤں کی طرف سے دی جانے والی بھیک اور حکومتی فنڈ پر پلتی ہیں۔ جو کہ خوبصورت دفاتر، بہترین کمپیوٹر، دیدہ زیب فائلوں، بڑی بڑی گاڑیوں اور انگریزی لب ولہجہ میں گفتگو کرنے والی، دل لُبھانے والی اداؤں اور ہوش رُبا مہنگے پہناوے والی پُرکشش دوشیزاؤں سے مزین ہیں۔

یہ لیلاؤں اور مجنوؤں کا ایک گروہ ہے، جن کے نزدیک آرائش زُلف و رخسار اور ان کی نمائش ہی انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ یہ وہ این۔جی۔اوز۔ ہیں جو کہ مختاراں مائی پر ظلم کے نام پر پوری دنیا کو ہلا دیتی ہیں، کیونکہ اس سے ڈالروں کی برسات ہوتی ہے۔

جبکہ زلزلے میں ہزاروں خواتین بے یار و مددگار پڑی رہیں، ان کے اغوا کی کہانیاں منظر عام پر آتی رہیں مگر حقوق نسواں پر لڑنے والے بے حس ذہنوں اور مغرب کے مال پر پلنے والے جسموں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ اس لئے کہ غیر ملکی بھیک ان نیک کاموں سے نہیں ملتی۔

دوسری طرف مغرب کے ''ملعون'' اور دہشت گرد تمام پابندیوں کے باوجود اس طرح ان مصیبت زدہ علاقوں میں پہنچتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ کوئی جنات کا گروہ ہے۔ نہ ہیلی کاپٹر نہ گاڑیاں ،صرف کندھوں پر اناج کی بوریاں اٹھائے پہاڑوں پر چڑھتے ،رسیوں کی مدد سے لوگوں کو اُٹھا کر دریا پار کراتے نظر آتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ان میں خدا کا خوف اور خدمت خلق کا جذبہ ہے، نہ کہ مغرب کا مالِ مفت کا اثر۔

غیر ملکی آقاؤں کا بس چلے تو وہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ پہلے جو زلزلہ آیا تھا وہ پہاڑی علاقوں میں آیا تھا، اور اب جو سیلِ آب آیا ہے وہ بھی پہاڑی علاقوں سے آیا ہے اور پہاڑی علاقوں میں طالبان روپوش ہیں، لہذا زلزلہ اور سیلِ آب طالبان ہی لائے ہیں۔ اس پر دلیل یہ دے سکتے ہیں کہ آج تک پاکستان میں جو بھی تباہی ہوئی ہے وہ طالبان نے ہی کی ہے، نیز بڑی دلیل یہ کہ زلزلہ اور

سیلِ آب سے طالبان کا گڑھ ''شمالی وزیرستان'' اب تک محفوظ رہا ہے۔

ہمارے ہاں ایک سے ایک بڑھ کر دانشور (جن کو میں دان شور کہا کرتا ہوں) مفکر (جن کو میں منہ پھکڑ کہا کرتا ہوں) اور تجزیہ کار (جن کو تخریب کار کہا جاسکتا ہے) موجود ہیں، ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے،

یہ سارے کے سارے ایسا راگ آلاپیں گے کہ سیلِ آب کو طالبان کے کھاتے میں ڈال کر دہشت گردی کے خلاف جنگ کا حصہ بنا سکتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ڈالرں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ امید ہے کہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

مجھے تو یہ ڈر رہا کہ کہیں سیلِ آب سے بچاؤ کے لئے بنائے گئے بند، جو کہ ہمارے حکمرانوں نے توڑے ہیں جن سے وسیع پیمانے پر غریب دیہاتوں اور شہروں میں تباہی ہوئی، ان کو توڑنے کا الزام ان فاقہ کش اور محنت کش مذہبی جنونیوں کے نام نہیں لگا دیا جائے۔ چونکہ یہ تمام بند امریکی ہوائی اڈوں کو بچانے کے لئے توڑے گئے اس لئے یہ نہ ہوسکا، ورنہ اگر یہ غیر ملکی ہوائی اڈے اس سیلِ آب میں بہہ جاتے تو ضرور الزام لگایا جاسکتا تھا۔

ہم لوگ مفلس ہیں، مفلس کا مطلب یہ نہیں کہ مالی پریشانی ہو بلکہ اخلاقیات کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ ہم لوگ اخلاقی انحطاط اور اور ذہنی افلاس کی اس حد تک جا چکے ہیں کہ اس سے نیچے کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دفع حضرات صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ تمہیں پتہ ہے کہ قیامت کے دن کون مفلس ہوگا۔ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائیگا، جس کا نامۂ اعمال نیکیوں سے پُر ہوگا۔ اس کے لئے جنت کا راستہ کھول دیا جائے گا۔ اچانک ایک شخص آئے گا وہ اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ اس نے دنیا میں میرے ساتھ فلاں زیادتی کی تھی، چنانچہ حکم ہوگا کی اس شخص کی نمازوں کا ثواب اس دعویٰ کنندہ کو دیدیا جائے، پھر اسی طرح اور لوگ آتے جائیں گے اور اس نیک شخص کی زیادتیاں بیان کرتے جائیں گے اور اس شخص کے روزے، حج، زکواۃ اور جتنے بھی نیک اعمال ہیں وہ ان دعویٰ کنندگان کو ملتے جائیں گے، یہاں تک کہ اس شخص کے پاس کچھ نہ رہے گا، اس وقت وہ سب

سے زیادہ مفلس ہوگا۔اور حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ہمارا ملک مفلس نہیں ، بلکہ ہم نے اپنی عیاشیوں سے اسے خود مفلس بنایا ہوا ہے، ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے مگر ہمارا کردار ایسا ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود ہم مفلس ہیں ہم نے اپنا سب کچھ غیر کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔

وگرنہ اگر دیکھا جائے تو صرف تھر کے علاقے میں کوئلے کے ذخائر ۸۵۰/ارب مکعب فٹ ہیں،ان کا صرف دو فیصد استعمال کر کے بیس برس کے لئے چالیس ہزار میگاواٹ سالانہ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔یعنی ترقی کی رفتار چین جیسے ملک سے بھی بڑھ سکتی ہے۔پاکستان پٹرول میں دنیا کا دسواں ،سونے میں پانچواں،تانبے میں ساتواں،اور پانی کے ذخائر میں دنیا کا نواں امیر ترین ملک ہے۔ہم دنیامیں کھجور پیدا کرنے والی دوسری،گندم اور چاول پیدا کرنے والی ساتویں بڑی مملکت ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہیں۔اس کے باوجود ہم لوگ اتنے مفلس ہوگئے ہیں کہ بنگلہ دیش جیسا گیا گذرا ملک ہمیں سیلِ آب کے لئے امداد کی مد میں بیس لاکھ ڈالر دیتا ہے اور ہم اپنے دشمن ملک بھارت سے پچاس لاکھ ڈالر امداد کے طور پر بھیک لیتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔اس لئے کہ ہمارے مغرور سر اُس اللہ جو کہ رحمٰن اور رحیم ہے کے سامنے نہیں جُھکتے کیونکہ ہمارے لیڈروں کا ایمان ہے کہ یہ مسئلہ اللہ نہیں بلکہ اللہ کی باغی عالمی برادری حل کرسکتی ہے۔

ہمیں اللہ کی ذات پر یقین نہیں اسی لئے ہم پر اللہ کی طرف سے آزمائش آتی ہے۔سیلِ آب اگر عذابِ الٰہی نہیں تو آزمائش ضرور ہے،اور آزمائش وہ ہوتی ہے جس سے قومیں سرخرو ہوکر نکلتی ہیں۔جب کہ ہمارے ہاں ایسا کوئی رواج نہیں، کیونکہ ہمیں جو سبق دیا جا تا رہا ہے وہ یہی ہے کہ اس قسم کی باتوں کو فضول سمجھا جائے۔

اس ملک کے بنانے اور چلانے والے گروہ اسی کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔یادرکھیں اللہ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اُس کا

رمضان المبارک کے بعد

حکیم الامت حضرت مولانا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا، اس کے گزرنے سے بہت سے لوگوں پر ایک مایوسانہ کیفیت طاری ہوئی، جیسے کوئی عزیز مہمان رخصت ہو جائے اور بہت دنوں میں اس کے آنے کی امید ہو، بہت سے لوگوں پر ایک اطمینانی کیفیت طاری ہوئی، جیسے ان کا کام ختم ہو گیا اور اب ان پر کوئی ذمہ داری نہیں، یہ دونوں کیفیتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منشا اور رمضان المبارک کی روح اور پیام کے منافی ہیں، رمضان اگر رخصت ہوا تو ایمان اور اس کے تقاضے، شریعت اور اس کے احکام، اللہ تعالیٰ اور اس سے تعلق بہر حال باقی رہے، رمضان در حقیقت ایک دور کا خاتمہ نہیں، ایک دور کا آغاز ہے۔ رمضان انتہا نہیں۔ ابتدا ہے۔

رمضان سب کچھ لے کر اور سب نعمتیں تہہ کر کے لپیٹ کر نہیں جاتا ہے، وہ بہت کچھ دے کر، جھولیاں بھر کر اور نعمتیں لٹا کر جاتا ہے۔ رمضان کے بعد آدمی گناہوں سے ضرور ہلکا ہوتا ہے لیکن ذمہ داریوں سے بوجھل اور گراں بار ہو جاتا ہے۔

اس سب کے باوجود بہت سے بھائی دل میں کہتے ہوں گے کہ رمضان گیا، اب کیا کریں؟ اس مختصر مضمون میں اسی سوال کا جواب مقصود ہے، یہاں ان باتوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے کی ہیں۔

1- توبہ:

سب سے مقدم اور اہم کام جس کے لیے کسی زمانے اور مقام کی قید نہیں مگر رمضان المبارک اس کی تحریک اور تقاضا پیدا کرتا ہے اور اس کو آسان بنا دیتا ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے ٹوٹا ہوا رشتہ یا چھوٹا ہوا رشتہ جوڑیں۔

توبہ کی قرآن وحدیث میں اس قدر ترغیب وتاکید ہے اور اس قدر اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایمان کے بعد سب سے اہم چیز معلوم ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ

تُفۡلِحُوۡنَ﴾(النور۲۴:۳۱)

''اے مومنو تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

﴿تُوۡبُوۡٓا اِلَی اللّٰہِ تَوۡبَۃً نَّصُوۡحًا﴾ (التحریم۶۶:۸)

''اللہ سے سچی اور مخلصانہ توبہ کرو۔''

حدیث شریف میں آتا ہے:﴿کلکم خطاؤن و خیر الخطائین التوابون﴾ ''تم سب اے انسانو! خطا کار ہو اور گناہ گار ہو، اور خطا کاروں اور گنہگاروں میں سب سے بہتر کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔'' ایک دوسری حدیث میں ہے﴿التائب من الذنب کمن لاذنب له﴾ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔''

قرآن و حدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ صرف ضرورت ہی کی چیز اور مجبوری کا معاملہ نہیں ہے کہ جب آدمی کسی معصیت میں مبتلا ہو جائے تو توبہ کرے۔ یہ تو فرض واجب ہے اور اس کے بغیر تو صاحب ایمان کو چین سے ہونا نہیں چاہیے۔

توبہ ایک مستقل عبادت ہے، قرب اور محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے سے جو ترقی ہوتی ہے اس کو کوئی عبادت نہیں پہنچ سکتی، اس لیے ابرار و صالحین اور مقربین کو بھی اس کی ضرورت ہے، وہ جب کسی توبہ کرنے والے پر رحمت الٰہی کی بارش اور اس ذات عالی کی نوازش دیکھتے ہیں تو ان کی اپنی بڑی بڑی عبادتیں اس کے سامنے ہیچ اور حقیر معلوم ہونے لگتی ہے۔

اور اس وقت اس گروہ میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو رحمت الٰہی کا مورد ہوتا ہے۔ بہر حال رمضان کے بعد سب سے مقدم اور اہم اور سب سے اعلیٰ و افضل کام یہ ہے کہ ہم اپنے سارے گناہوں سے توبہ کریں اور وقتاً فوقتاً توبہ کرتے رہیں، حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بڑا خوش قسمت ہوگا۔ جو حشر کے دن اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کی کثرت پائیگا۔

۲۔ایمان کی تجدید:

بہت سے بھائی سمجھتے ہیں کہ ایمان ایک مرتبہ لے آنا کافی ہے، اس کے بعد اس کو تازگی، غذا، اور تجدید کی ضرورت نہیں،

حدیث میں آتا ہے کہ ایمان اسی طرح پرانا ہوتا جاتا ہے جیسے کپڑا میلا اور پرانا ہو جاتا ہے، اس کو نیا اور اجلا کرتے رہو، صحابہ کرامؓ سے عرض کیا کہ اس کو کس طرح کریں؟ فرمایا: ''لا الہ الا اللّٰہ'' کی کثرت کرو، خود قرآن شریف میں ہے۔

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَانَزَلَ مِنَ الحَقِ، وَلاَ یَکُونُوا کَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الکِتَابَ مِنْ قَبلُ فَطَالَ عَلیھِمُ الاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُھُمْ، وَکَثِیرٌ مِنھُم فَاسِقُونَ﴾ (الحدید ۵۷:۱۶)

”کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اوراس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں جنھیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھرایک لمبی مدت ان پر گزرگئی تو ان کے دل سخت ہوگئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔

اس آیت کے سننے اور پڑھنے کے بعد اصحاب اپنے دل کی سختی اور بے حسی سے شاید مایوس ہوتے اور سمجھتے کہ دل کی یہ زمین بالکل اوسر اور بنجر ہوگئی ہے اوراب کبھی اس میں شادابی اور روئیدگی پیدا نہیں ہوگی، تو معا اس کے بعد ارشاد ہوا۔

﴿اِعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ یُحیِی الاَرْضَ بَعْدَ مَوتِھَا، قَدْ بَیَّنَّالَکُم الاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (الحدید ۵۷:۱۷)

”یادرکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کومردہ ہوجانے کے بعد زندہ کردیتا ہے، ہم نے تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کیں اگر تم سمجھتے ہو۔“

بہرحال ہر شخص کو اپنے ایمان کی تکمیل، تجدید اور تقویت کی ضرورت ہے، اس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) سوچ سمجھ کر شعور و احساس کے ساتھ کلمہ توحید کی تکرار و کثرت، صحابہ کرامؓ سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ کی کثرت کرو، ظاہر ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اور معنی و مطلب پر غور کیے بغیر کلمہ کی تکرار اور کثرت نہیں کرتے ہوں گے۔

(ب) ذکر کی کثرت کی قوت، یہ دونوں مستقل چیزیں ہیں، عام حالات میں ذکر کی کثرت ذکر میں قوت پیدا کردیتی ہے، خاص حالات میں ذکر کی قوت کثرت کے قائم مقام بن جاتی ہے، قوت کے معنی یہ ہیں کہ خاص کیفیات توجہ و استحضار کے ساتھ اللہ کو یاد کیا جائے،

ان کیفیات وخصوصیات کے ساتھ تھوڑا سا یاد کرنا بھی تھوڑا نہیں ہے اور بڑے اثرات رکھتا ہے، لیکن یہ بات بڑی استعداد یا اعلیٰ یقین یا طویل محنت، یا ندامت اور انابت سے پیدا ہوتی ہے۔

(ج) اہل یقین کی صحبت، جس کی کیمیا اثری اور پارس صفتی دنیا کو تسلیم ہے اور قرآن مجید کی اس پر مہر لگی ہوئی ہے ”وکونوا مع الصادقین“ (التوبہ ۹:۱۱۹) اور صادقین (راست

بازوں) کے ساتھ رہو۔

(د) اعمال کی کثرت اور مداومت، اس سے بھی ایمان میں جلا اور قوت اور زندگی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ احکام شریعت کی پابندی:

رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے والے کاموں میں شریعت کی پابندی اور فرائض واحکام کی بجا آوری ہے جس کی خصوصی مشق رمضان میں کرائی جاتی ہے، **لعکم تتقون،**

سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب رمضان میں حلال وطیب چیزیں ایک خاص وقت کے اندر ممنوع قرار دی گئیں اور ان پر بندش عائد ہوگئی تو وہ چیزیں جو سدا سے حرام اور قیامت تک حرام رہیں گی، وہ غیر رمضان میں کیسے جائز ہوسکتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مؤمن کے دو روزے ہیں، ایک عارضی اور ایک دائمی، عارضی روزہ رمضان میں ہوتا ہے، صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک، اس میں کھانا پینا اور ممنوعات صوم سب ناجائز ہوتے ہیں۔

واعبد ربک حتی یا تیک الیقین (الحجرہ۱۵:۹۹)

اپنے رب کی بندگی اور تابعداری کرو جب تک موت نہ آجائے۔"

کیسے تعجب کی بات ہے کہ عارضی روزہ کی پابندی کی جائے اور دائمی روزہ کو کھیل بنا لیا جائے، جس کا ایک جز اور ایک حصہ یہ عارضی روزہ ہے، اگر وہ روزہ نہ ہوتا تو یہ روزہ بھی نہ ہوتا، وہ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔

یہ روزہ کلمہ پڑھ لینے اور اسلام کی حالت میں زمانۂ بلوغ کے آجانے سے شروع ہوتا ہے، وہ روزہ آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، یہ روزہ بھی جب تک زندگی کا آفتاب رہتا ہے، باقی رہتا ہے، جہاں زندگی کا آفتاب غروب ہوا اور طائر روح نے اپنے قفس کو چھوڑا وہ روزہ بھی ختم ہوا۔

رمضان گزر گیا، فرض روزے بھی اس کے ساتھ گئے، مگر اسلام باقی ہے اور اس کا طویل اور مسلسل روزہ بھی باقی ہے، پہلے کی عید دوگانہ ہے جو عید گاہ اور مسجد میں ادا ہو جاتی ہے، دوسرے کی عید وہ حقیقی عید ہے جس کے متعلق شاعر عارف نے کہا ہے۔

انبساط عید دیدن روئے تو
عید گاہ ما غریباں کوئے تو

عید کی خوشی تو آپ کا دیدار ہے، ہم غریبوں کی عید گاہ تو آپ کا کوچہ ہے۔

وَ جُوہٌ یَّوْ مَئِذٍ نَاضِرَۃ ، اِلٰی رَبِّھَا نَاضِرَۃ (القیامۃ ۷۵ :۲۲.۲۳)اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

۴- قرآن سے تعلق:

رمضان المبارک کا بڑا تحفہ اور عطیہ ربانی یہ قرآن مجید ہے: ﴿شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنْزِلَ فِیہِ القُرآنُ ھُدًی لِلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِنَ الھُدٰی وَالْفُرْقَانَ﴾۔(البقرہ۲:۱۸۵)''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

رمضان تو سال بھر کے لیے رخصت ہوا، مگر اپنا پیام، اپنا تحفہ اور اپنی سوغات چھوڑتا گیا، ضرورت ہے کہ رمضان گزر جانے کے بعد اس تحفے سے اس کی یاد تازہ کی جائے، اس کی برکات حاصل کی جائیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تحفہ قاصد سے بڑھ کر ہے، شاہ وقت اپنے کسی منتخب غلام کو کسی قاصد کے ہاتھ تحفہ بھیجے تو یہ تحفہ اس کی خاص سوغات ہے۔

یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفات کا مظہر ہے، اس وقت پورے عالم انسانی میں اور اس زمین کی سطح کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب رکھنے والا اور اس کی صفات و کمالات کا پرتو قرآن مجید ہی ہے، ضرورت ہے کہ اس کو ایک زندہ کتاب کی طرح ہمیشہ پڑھا جائے۔

اور یقین پیدا کیا جائے کہ ہم اللہ کا کلام پڑھ رہے ہیں اور اس ذات عالی سے مخاطب اور ہم کلام ہیں، پڑھتے وقت ہمارا سینہ اس یقین سے معمور، ہمارا دل اس احساس سے مسرور اور ہماری روح اس کیفیت سے مخمور ہو۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے حضورﷺ سے پوچھا تھا: ''ھل سمانی ربی'' کیا میرے مالک نے میرا نام لے کر کہا کہ (ابی بن کعب سے) قرآن مجید پڑھوا کر سنو اور جب اس کا جواب اثبات میں ملا تو فرط مسرت سے رو پڑے۔

ہم کو بھی اس پر ناز ہونا چاہیے کہ ہمارا رب ہم سے مخاطب ہے اور ہم میں سے ہر شخص فرداً فرداً اس کا مخاطب اور شرف خطاب والتفات سے مشرف ہے، بہت سے بھائی رمضان میں بڑی مستعدی سے قرآن مجید سنتے اور پڑھتے ہیں مگر رمضان ختم ہوتے ہی اس کو طاق پر ایسا رکھتے ہیں کہ پھر رمضان ہی میں اتارتے ہیں۔ یہ بڑی ناقدری اور نادانی ہے۔

رمضان مبارک اس کی تقریب کرا کے رخصت ہوتا ہے۔ وہ اس لیے آتا ہے کہ آپ سال

بھراس کو پڑھتے رہیں، نہ اس لیے کہ سال بھر کا آپ اس میں پڑھ لیں پھر سال بھر کے لیے چھٹی، اس لیے رمضان کے بعد کرنے کا چوتھا کام یہ ہے کہ ہم قرآن مجید سے اپنا تعلق باقی رکھیں اور اس کی تلاوت اور اس پر غور وتدبر جاری رکھیں۔

۵۔ حسن سلوک:

رمضان مبارک ہمدردی وغم خواری، امداد واعانت اور حسن سلوک کا خاص مہینہ ہے، اس کو **شهر البر والمواساة** کہا گیا ہے۔ اس کے جانے کے بعد...... اس شعبے کو زندہ رکھنا چاہیے اور ان سب بھائیوں کی خبر لیتے رہنا چاہیے، جو ہماری امداد واعانت اور سلوک کے محتاج ہیں، موجودہ بے روز گاری اور گرانی نے ان لوگوں کی تعداد بہت بڑھادی ہے جو پیسے پیسے کے محتاج ہیں اور دانے دانے کو ترستے ہیں اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ (البقرہ ۲: ۲۷۳)

"خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔"

رمضان کی تاثیر اور روزے کی قبولیت کی یہ بھی علامت ہے کہ دل میں گداز اور طبیعت میں نرمی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور رمضان گزر جانے کے بعد بھی خلق خدا پر شفقت، غربا پر ترس اور پریشاں حال لوگوں کے ساتھ سلوک کی خواہش اور کوشش ہو۔

یہ ہیں وہ سب کام جو رمضان کے بعد بھی جاری رہنے چاہییں اور جن کے لیے رمضان خاص طور پر تیار کر کے جاتا ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ، الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُو الْاَلْبَابِ۔ (الزمر ۳۹: ۱۷۔۱۸)

"پس (اے نبی ﷺ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں۔"

اعجازِ قرآن

'عجز' کا مطلب کسی امر کی قدرت نہ رکھنا ہے جبکہ 'معجزہ' ایسے خارقِ عادات امر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تحدّی (چیلنج) کی گئی ہو اور وہ معارضے سے سالم بھی رہے اور کوئی اس کی مثل پیش کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور اگر معارضہ واقع ہو جائے یا اس (خارقِ عادت امر) کی مثل پیش کر دی جائے تو یہ امر معجزے کو باطل ثابت کرے گا۔ معجزات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ انبیاء کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ کے معجزات کا تذکرہ ہے، مثلاً رسی کو سانپ بنا دینا یا مردے کو زندہ کر دینا وغیرہ۔

یہ ان قوموں کے لئے دلائل کی حیثیت رکھتے تھے جن کے سامنے یہ پیش کیے گئے۔ اور چونکہ یہ لوگ ان للکاروں کے معارضے پیش کرنے سے قاصر رہے، لہذا ان پر، ان کی طرف بھیجے گئے انبیاء پر ایمان لانا لازم ٹھہرا تھا۔ البتہ یہ تمام دلائل انہی قوموں کے دور تک محدود تھے۔

آج ہمارے لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسا معجزہ ہے جس کی وجہ سے مسلمان اسلام پر ایمان لاتے ہیں؟ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ واقعی قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن ہی بذات خود وہ معجزہ ہے جو اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل میں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو یہ تحدّی کی ہے کہ وہ قرآن جیسا کوئی کلام بنا لیں! وہ بھی پوری کتاب نہیں، بلکہ فقط ایک سورت کی مثل ہی پیش کر دیں! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ
وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ ۲:۲۳

(ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو)

یہ تحدّی روزِ قیامت تک باقی رہے گی، مگر آج تک انسان اس کلام کی مثل پیش کرنے سے عاجز رہا ہے کیونکہ یہ کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں پر قرآن نازل ہوا وہاں کے لوگ یعنی اہلِ عرب اپنی لغوی صلاحیات میں، دنیا کی تمام قوموں سے ممتاز تھے۔ اس کے باوجود یہ لوگ اس تحدّی کا معارضہ پیش کرنے سے عاجز رہے۔ ان میں خاص طور پر قبیلۂ قریش، شاعری، فصاحت و بلاغت اور عربی لغت کے دیگر پہلوؤں میں کمال کی مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی فنِ مہارت میں چیلنج کیا۔

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴾ ۱۲:۲

(یقیناً ہم نے اس کو قرآنِ عربی نازل فرمایا تا کہ تم سمجھ سکو)

جب رسول اللہ ﷺ اس عربی زبان کے قرآن کی تلاوت فرماتے تو ایک طرف تو قریش اس کلام کی زبردست کشش محسوس کرتے، اور اسی وجہ سے چھپ چھپ کر اسے سنا کرتے تھے، نیز قریش کا فصیح ترین سردار ولید ابن مغیرہ، قریش کی ایک مجلس میں، قرآن کے بارے میں اعتراف کرتے ہوئے یہ کہتا ہے:

''خدا جانتا ہے کہ تم لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی شعر، رجز، قصیدہ اور اشعار کا جاننے والا نہیں ہے۔ مگر واللہ جو بات وہ (رسول اللہ ﷺ) کہتا ہے ان میں سے کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی اور واللہ محمد (ﷺ) کے قول میں شیرینی ہے اور لطافت اور اس کلام کا بالائی حصہ ثمر دار ہے تو اس کا زیرین حصہ شکر بار اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کلام ضرور بالاتر ہوگا اور اس پر کسی کو بلندی حاصل نہ ہوگی اور یہ بھی یقینی ہے کہ وہ اپنے سے نیچے چیزوں کو پامال کر ڈالے گا۔'' (بحوالہ الاتقان)

دوسری طرف انہوں نے اسی کلام سے شدید دشمنی کا اظہار بھی کیا کیونکہ اس پیغامِ الٰہی سے ان کے تمام مفادات کو خطرہ لاحق تھا۔ یہ لوگ اپنی سرداری، اپنا مال، اپنی طرزِ زندگی و رسم و رواج اور اپنا وقار، سب کچھ مٹی میں مل جانے سے خائف تھے۔ اسی سے، ان میں تحدّیِ قرآن کا معارضہ پیش کرنے کے جذبے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

انھوں نے لوگوں کو اس انتہائی پر کشش کلام سے دور رکھنے کی ہر کوشش کی اور رسول اللہ ﷺ پر 'ساحرِ بیان' ہونے کا الزام لگایا، یہ افواہیں بھی اڑائیں کی یہ باپ کو بیٹے سے اور بیوی کو شوہر سے جدا کرتا ہے۔ نیز انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکاروں سے مقاطعہ (boycot) کیا، انہیں طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا اور آپ کو قتل کرنے کی سازش بھی کی۔ اسلام کے خلاف

جنگ میں اپنا مال وجان، سب کچھ قربان کر دیا، مگر تمام کوششوں کے باوجود، ان سے یہ نہ ہو سکا کہ یہ لوگ قرآن کی ایک سورت کی مثل لادیں!

معارضے کی کوششیں رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی جاری رہیں۔ مثلاً مشہور شاعر اور صاحبِ لغت ابن مقفعہ نے بھی ایک نظم تیار کی مگر جب کسی بچے نے اس کے سامنے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت کی:

﴿وَ قِيلَ يَآَرۡضُ ابۡلَعِيۡ مَآءَ كِ وَيٰسَمَآءُ اَقۡلِعِيۡ وَغِيۡضَ الۡمَاءُ وَقُضِيَ الۡاَمۡرُ وَاسۡتَوَتۡ عَلَى الۡجُوۡدِيِّ وَقِيۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ ۱۱:۴۴

(فرمادیا گیا کہ اے زمین اپنے پانی کو نگل جا اور اے آسمان بس کر تھم جا، اسی وقت پانی سکھا دیا گیا اور پورا کر دیا گیا اور کشتی 'جودی' نامی پہاڑ پر جا لگی اور فرمادیا گیا کہ ظالم لوگوں پر لعنت نازل ہو) تو شرمندہ ہوتے ہوئے اسے کہنا پڑا: ''واللہ! اس جیسا کلام کبھی کوئی نہیں بنا سکتا اور یہ انسانی کلام ہی نہیں ہے!'' (بحوالہ علوم القرآن)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں، فصاحت و بلاغت کے پہلوؤں کے ساتھ، صرف ۱۷ الفاظ میں یہ تمام افکار بیان کر دیے ہیں جنہیں اگر انسان بیان کرنا چاہے تو اسے بے شمار الفاظ کی ضرورت پڑے گی اور اس صورت میں اس جملے کو فصاحت و بلاغت کے پہلوؤں سے محروم ہونا پڑے گا۔ مگر قرآن یہاں اختصار اور فصاحت، دونوں پہلوؤں کو کمال کے درجے پر برقرار رکھتے ہوئے، ان کی ادائیگی کر رہا ہے!

آج بھی استعماری قوتیں، اسلام کے خلاف جنگ میں، کثرت سے وسائل صرف کر رہی ہیں اور ان کی راہنمائی میں مستشرقین، مسلمانوں کا اسلام پر ایمان کمزور کرنے کے لئے، قرآن پر بے شمار الزامات عائد کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بس اگر ایک قرآنی سورت کی مثل پیش کر دیں تو سارا قصہ ہی ختم ہو! مگر یہ بھی اس میں عاجز اور بے بس ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا﴾ ۱۷:۸۸

(کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں)

اگرچہ اعجازِ قرآن کا مکمل ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عربی لغت سے گہری واقفیت

رکھتے ہیں، مگر آئندہ نمونوں سے اس معجزے کا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا۔

قرآنی لغت میں اعجاز اپنی فصاحت (خوش بیانی)، بلاغت (فصاحت کے ساتھ کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا)، اسلوب (مربوط جملے میں معانی کی ترتیب) اور نظم (جملے میں الفاظ کی ترتیب) کے اعتبار سے ہے۔ قرآن میں مستعمل لغت اپنی حلاوت (مٹھاس)، روانی، وضاحت اور اختصار میں بے مثال ہے۔ اسی وجہ سے یہ کلام مخاطب پر اپنا زبردست اثر چھوڑتا ہے اور اس کی قوت کے سامنے انسان اپنے آپ کو، کمزور اور بے بس محسوس کرتا ہے۔ نہ تو یہ کلام اشعارِ موزونیت (rythmic poetry) کے ضمن میں آتا ہے اور نہ نثرِ قافیہ (rhymed prose) میں، اور نہ ہی یہ سادہ نثر (بلا وزن وقافیہ عمدہ کلام) (prose) ہے۔ نیز نہ یہ سادہ سجع (قافیہ بند کلام جس میں وزنِ شعر ملحوظ نہ ہو) ہے اور نہ ہی یہ مزدوج (وہ کلام جو وزن وقافیہ میں یکساں ہو) ہے۔ اہلِ عرب ان سب کے ماہر تھے مگر قرآن ان سب سے علیحدہ ایک، انمول کلام ہے۔

ان لغوی پہلوؤں میں قرآنی اعجاز کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱) انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اپنے ہر جملے میں بہترین الفاظ کا استعمال کرے، چنانچہ زیادہ مناسب الفاظ کے استعمال کی اتنی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے کہ وہ اپنے کلام کو مزید بہتر بنا لے۔ جب ہم قرآنِ پاک پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں، پہلے لفظ سے لے کر آخری تک، صرف ایسے الفاظ کا استعمال ہوا ہے جو اپنے سیاق، مفہوم کلمات اور روانیِ اسلوب میں موزوں (مناسب) ترین الفاظ ہیں۔ اس میں مستعمل لفظ/ الفاظ کو اگر کسی دوسرے لفظ/ الفاظ سے تبدیل کیا جائے تو یہ کلام اپنے فصاحت و بلاغت کے بلند ترین معیار سے گرتا ہوا نظر آئیگا۔ مثلاً دورِ جاہلیت میں ''موت'' کے لئے کئی الفاظ مستعمل تھے: هلاك، فناء، حتف، شعوب، حمام، منون، سام، قاضيه، هميغ، نيط، فود، مقدار، جباز، قتيم، حلّاق، طلاطل، طلاطله، عول، ذام، كفت، جداع، حزره، خالج۔

مگر ان میں سے بیشتر الفاظ مشرکین کے عقائدِ جاہلیت کی عکاسی کرتے تھے یعنی انسان ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیگا اور حساب کے لئے دوبارہ سے اٹھایا نہیں جائیگا۔ اسی لئے قرآن نے جب موت کی حقیقت بیان کی، تو ایک ایسے خوبصورت، بلیغ، واضح اور مختصر لفظ کا استعمال کیا جو موت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ یہ لفظ ''تَوَفِی'' ہے جس کا لفظی معنیٰ 'پورا و مکمل حاصل ہونا' ہے۔ یہ لفظ موت کے 'ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانے' کی نفی کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ موت کے بعد انسان کی واپسی اللہ ہی

کی طرف ہوگی، اللہ جب چاہتا ہے انسان کے اجزاء کو دوبارہ پورا و مکمل (اکٹھا) کرتا ہے اور اپنی طرف بلا لیتا ہے۔ یہ لفظ اس معنی میں پہلے کبھی استعمال نہیں ہوا، قرآن نے اس کے ذریعے، اس اسلامی فکر کا انتہائی فصیح و واضح انداز میں ذکر کیا۔ (علوم القرآن)

۲) عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو اپنی صیغۂ واحد میں فصیح اور نرم (دھیمے) ہیں مگر ان کی صیغۂ جمع کو اپنی ادائیگی میں ثقیل سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً لفظ 'ارض' (زمین) ایک لطیف لفظ ہے مگر اس کی جمع 'ارضون' یا 'اراضی' 'ناشائستہ (inelegant) سمجھا جاتا ہے اور یہ زبان کی روانی پر منفی اثر ڈالتا ہے۔ مگر ضرورت کے تحت جہاں پر ان کا استعمال ناگزیر ہوتا، وہاں فصحاء عرب کو انہیں مجبوراً اختیار کرنا پڑتا۔ اس کے برعکس قرآن نے 'سمٰوات' (آسمانوں) کے ساتھ اس (ارض) کو اپنی صیغۂ واحد میں ہی استعمال کیا ہے، مگر ایک جگہ پر 'سات زمینوں' کا ذکر ناگزیر نظر آتا ہے اور صیغۂ جمع کو اختیار کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ البتہ قرآن نے ایک معجزانہ انداز میں اپنے آپ کو اس گراوٹ سے بچا لیا اور اس کے بجائے ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جس سے اس مفہوم کی ادائیگی میں مزید لطافت پیدا ہوئی:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ ۶۵:۱۲

(اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی)

۳) اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ بہ نسبت ''لَا شَكَّ فِیْهِ'' کے احسن ہے کیونکہ ''شَكَّ'' میں ادغام (ایک جنس کے دو حرفوں کو آپس میں ملا دینا) کا ثقل موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ''رَیْبَ'' کا ذکر بکثرت ہوا ہے۔ اسی تخفیف کی وجہ سے یہ احسن مانا گیا ہے۔ (الاتقان)

۴) قرآنی کلام کی ترکیب (syntax) میں بھی معجزہ ظاہر ہے، اس کی عظمت، وضاحت اور حلاوت بھی لاجواب ہے۔ قاتل سے دیت لینے کا رواج دورِ جاہلیت میں سراہا جاتا تھا، اور اس کے بیان کے لئے خاص جملے استعمال کئے جاتے جیسے ''القتل احیاء لجمیع '' (قتل میں سب کے لئے زندگی ہے) یا ''القتل انفی القتل '' (قتل قتل کو روکتا ہے)۔ یہ جملے انتہائی مشہور اور اپنی فصاحت میں بلند مرتبے کے مانے جاتے تھے، مگر قرآن نے اسی معنی کو ایسے مؤثر انداز میں بیان کیا کہ انسان دنگ رہ جائے!:

﴿وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیَاةٌ﴾ ۲:۱۷۹

(قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے)

جس عظمت، وضاحت، شان اور اختصار کے ساتھ یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے، تو ہر جہت سے اوپر کے دو مذکورہ جملے، اس آیتِ مبارکہ کے مقابلے میں، بے ڈھنگا معلوم ہوتے ہیں! (علوم القرآن)

۵) سورۃِ مائدہ آیت نمبر ا میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّامَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾

(اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو، تمہارے لئے مویشی چوپائے حلال کئے گئے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ کر سنا دیے جائیں گے مگر حالتِ احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا، یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم کرتا ہے) اس آیتِ مبارکہ نے اپنی بلاغت میں انسان کو عاجز کر دیا ہے، اور ساتھ ہی اس میں کئی احکام بھی شامل ہیں، جن میں بعض یہ ہیں: ۱) عقود کی پابندی ۲) مویشیوں و چوپاؤں کی (عام) اجازت ۳) اس (عام) اجازت سے استثناء کا اعلان ۴) احرام کی حالت میں شکار کی حرمت ۵) احرام میں نہ ہونے کی صورت میں شکار کی اجازت۔ (فتح القدیر)

اگر کوئی انسان ان تمام افکار کو ایک ہی جملے میں بیان کرنے کی کوشش کرے تو بلاشبہ یا تو اس کی بلاغت کا معیار گر جائے گا، یا پھر قاری کو افکار کی بوچھاڑ کا احساس ہوگا۔ مگر اس آیت کو پڑھنے سے، اس کے مواد کی بلندی کے باوجود، اس میں بھاری پن محسوس ہوتا ہے اور نہ ہی خشکی۔ یہاں اختصار، وضاحت اور فصاحت و بلاغت کو ایک ہی وقت میں، کمال کی سطح پر برقرار رکھنے میں اعجاز واقع ہوا ہے!

۶) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا، فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا، فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا، فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا، فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ ۱۰۰: ۱-۵

(ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑنے والوں کی قسم! پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی قسم! پس اس وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں، پھر اسی کے ساتھ فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں)

"عٰدِيٰتِ" عدو سے مشتق ہے جس کے معنی دوڑنے کے ہیں۔ ضَبْحًا وہ خاص آواز ہے جو گھوڑے کے دوڑنے کے وقت اس کے سینے سے نکلتی ہے، "مُوْرِيٰتِ" ایراء سے مشتق ہے جس کا مطلب آگ نکالنے کے ہیں جیسے چقماق (ایک پتھر جس سے آگ نکلتی ہے) کو مار کر یا سلائی کو

رگڑ کر نکالی جاتی ہے۔ **قَدۡحًا** کے معنی ٹاپ مارنے کے ہیں، پتھریلی زمین پر جب گھوڑا تیزی سے دوڑے، خصوصاً جبکہ اس پاؤں میں آہنی نعل (لوہے کا جوتا) بھی ہو، تو ٹکراؤ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔ ''**مُغِیۡرٰتِ**'' **اغارہ** سے مشتق ہے جس کے معنی حملہ کرنے اور چھاپا مارنے کے ہیں، **صُبۡحًا** صبح کے وقت کی تخصیص بیانِ عادت کے طور پر ہے کیونکہ عرب لوگ اظہارِ شجاعت کے لئے رات کی اندھیری میں چھاپہ مارنا معیوب سمجھتے تھے، حملہ صبح ہونے کے بعد کیا کرتے تھے۔ ''**اَثَرۡنَ**'' **اِثارۃ** سے مشتق ہے غبار اڑانے کے معنی میں اور **نَقۡعًا** غبار کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ گھوڑے میدان میں اس تیزی سے دوڑتے ہیں کہ ان کے سموں سے غبار اڑ کر چھا جاتا ہے، خصوصاً صبح کے وقت میں غبار اڑنا زیادہ سرعت اور تیزی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ وقت عادۃً غبار اڑنے کا نہیں، کسی سخت دوڑ ہی سے اس وقت غبار اٹھ سکتا ہے۔ **فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا** یعنی یہ دشمن کی صفوں میں بے خوف وخطر گھس جاتے ہیں۔ (معارف القرآن) یہاں اللہ تعالیٰ نے چند الفاظ میں اس پوری جنگ کی کیفیت ایسے شفاف انداز میں بیان کی ہے، کہ انسان اس کا ذہنی نقشہ بنالے۔ ایک انسان کے بس کی بات ہی نہیں کہ وہ اس اختصار اور فصاحت کے ساتھ یہ کر سکے۔ ذہن میں ایسی تصویر لانے کے لئے اسے بے شمار الفاظ کی ضرورت پڑے گی مگر یوں خوش بیانی جاتی رہے گی۔

۷) قانونِ میراث (Law of Inheritance) جیسے انتہائی خشک مضمون کو، دنیا کے تمام شعراء مل کر بھی، ادبی حسن عطا نہیں کر سکتے۔ میں مذکورہ صفات سے متصف کیا ہے۔ ملاحظہ ان کے لئے اس میں حلاوت، قوت اور جان پیدا کرنا محال ہے۔ مگر قرآن نے اسی مضمون کو ایک بے مثال اسلوبہو سورۃ نساء آیات نمبر ۱۱ تا ۱۲۔

جی ہاں! یہ ہے اعجازِ قرآن، اور یہی وہ عقلی دلیل ہے جس کی وجہ سے مسلمان قرآنِ پاک کو کلام اللہ مانتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں! جہاں تک قرآن میں موجود پیشنگوئیوں کی بات ہے تو یہ اس کے اعجاز کی دلیل نہیں ہے! کیونکہ تحدّی عربی لغت کے حوالے سے کی گئی ہے، نہ کہ کسی اور پہلو سے۔ نیز مستقبل کی خبریں احادیث میں بھی موجود ہیں مگر ان میں وہ لغت کا معجزانہ پہلو موجود نہیں ہے جو قرآن میں ہے، قرآن نے قرآن کے مقابلے میں کچھ لانے کی تحدّی کی ہے کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ**﴾ یعنی قرآن جیسی کوئی سورت۔ لہذا چیلنج قرآنی زبان کا معارضہ لانے پر کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں مذکور سائنسی حقائق بھی معجزے کی حیثیت نہیں رکھتے۔

توہین رسالت ایکٹ میں ترمیم
اور ہمارا موقف

عمر فاروق قاسمی

چند تاریخی، سیاسی اور نفسیاتی اسباب مغرب کی مہذب دنیا کی نظر میں ایسے ہیں جو اسلام کی صورت میں ان پر تباہ کن آفت بن کر نازل ہوئے۔ اوعروہ مہذب قوتیں یہ بھی سمجھ چکی ہیں کہ اسلام کی اس حیرت انگیز قوت وشوکت اور غلبے کا راز رسالت محمدی ﷺ پر ایمان اور حضور ﷺ کی ذات سے محبت اور وابستگی میں مضمر ہے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بھی ان کے پاس اسلام سے مقابلے کا راستہ اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ قوت اور زندگی کے اس منبع ومحور کو ختم کیا جائے۔

اور اس ہی غرض سے روز اول سے آج تک رسالت محمدی ﷺ مخالفین خواہ وہ مشرکین مکہ ہوں یا فرنگی فتنے، یا خود اہل فرنگ کے حملوں کا سب سے بڑا ہدف رہی ہے۔ جس کو جہاں موقع ملا اس نے ذات گرامی ﷺ پر گندگی ڈالنے سے اجتناب نہ کیا۔ مگر جب مقاصد حاصل نہ ہوئے تو کہیں چند ایک سلمان رشدی گورنر وقت کی شکل میں اور کہیں تسلیم نسرین عاصمہ جہانگیر کی شکل میں پیدا کر کے ان نے نہ حاصل ہونے والے مقاصد کو دوبارہ پانے کی کوشش کی گئی مگر ناکام رہے۔

اسکے ساتھ ساتھ ایک چہرہ مغرب کے ان روحانی فرزندوں کا بھی ہے جو لارڈ میکالے کے خواب کی مکمل تعبیر ہے جو خون، رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہم میں سے ہیں۔ مگر کردار وگفتار، مزاج اور رائے، الفاظ وسمجھ کے اعتبار سے انگریز، بلکہ ایک لبنانی ادیب خلیل جبران کے الفاظ میں کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ جن کے جسم خواہ یہاں پیدا ہوئے ہوں مگر ان کی روحوں نے مغربی اسپتالوں میں جنم لیا ہے۔ جو وضاحت وبلاغت کے تو دریا بہاتے ہیں اور اہل فرنگ کے سامنے کمزور اور گونگے ہیں، جو تو آزادی حق رائے دہی کے علمبردار، مصلح، اور پر جوش ہیں مگر اپنے پروگرامز، اسٹیج اور دیگر محفلوں میں اہل مغرب کے سامنے اطاعت کیش اور رجعت پسند ہیں۔

جو ہر موقع ہاتھ سے گنوائے بغیر اپنے فرزند مغربی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر مذہبی اور خصوصاً توہین رسالت جیسے معاملات میں 100 فیصد مغرب کے ہمنوا رہتے ہیں۔ شاید انہیں معلوم کے نہ ہوان

کا چہرہ جو کسی طرح بھی لارڈ میکالے کے خواب کی تعبیر نہ بن سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی درجے میں فرنگی افکار کے جادو میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ ان کے مزاج کے لیے یہ قبول کرنا مشکل ہے کہ توہین رسالت ﷺ کی سزا موت ہے۔

اور اکثر یہ سوال دہراتے نظر آتے ہیں کیا یہ سزا قرآن سے ثابت ہے؟

کہیں یہ ملا کی تنگ نظری، اور شدت پسندی تو نہیں؟

وہ نبی ﷺ جو رحمت اللعالمین تھے۔ جنہوں نے گالیاں کھا کر دکھ تکلیف برداشت کر کے بھی دعائیں دیں ان کی توہین پر ایسی سخت سزا؟

دنیا ہمارے بارے میں کیا کہے گی؟ ہمیں کیا سمجھے گی؟

ہم ان مہذب قوموں کو کیا منہ دیکھائیں گے؟

مگر ان نادانوں کو کون بتائے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہی تو ہماری قوت کا سرمایہ ہے، ہماری وحدت کا راز آپ ﷺ سے وابستگی میں ہے۔ آپ ﷺ سے نسبت ہی نے تو ہمیں امت وملت بنایا ہے، بلکہ ہمارے جسد ملی میں رسالت ﷺ ہی کی تو جان پھونکی گئی ہے۔ اسی کے دم سے تو ہمارا دین ہے، ایمان ہے، آئین ہے۔

یہاں پر میرا ان لوگوں سے ایک بنیادی سوال اٹھتا ہے کہ کیا توہین رسالت ﷺ کوئی جرم نہیں؟

رسالت تو بڑی چیز ہے اور اگر بات ہو محمد رسول ﷺ کی تو بقول شاعر کہ!

اگر ڈھونڈے گی دنیا ثانی محمد ﷺ ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ بھی نہ ملے گا۔

دنیا بھر میں کسی بھی انسان کی عزت وآبرو کو تحریری یا زبانی نقصان پہنچانا کیا جرم قرار دیا گیا ہے؟

اور اس لیے ہر معاشرے میں (Defamation) کے جرم کے لیے سزا کا قانون موجود رہا ہے؟

ہاں! مغرب میں آج یہ قانون تو ہے کہ جسکی ہتک عزت ہوئی وہ مغربی قوانین کے تحت خود مدعی بن سکتا ہے۔ یعنی رسول، یا کوئی بھی دنیا سے گزرا آدمی خود مدعی نہیں بن سکتا اس لیے اسکی جتنی توہین کر لی جائے یہ جرم قابل سزا نہیں۔

لیکن اس سے زیادہ فضول دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب ایک آدمی کی ہتک قابل تعزیر جرم ہو۔ تو اس شخص کی ہتک عزت کیوں نہ قابل تعزیر ہو جو ایک ارب سے زیادہ انسانوں کو اپنی جان و مال ہی نہیں

بلکہ اپنی ذات سے بھی بڑھ کر محبوب ہو۔ جس کی عزت اور نام سے ان کی عزت اور نام وابستہ ہے، جس کی توہین سے ان کی اپنی ذات، ان کے نام کی اپنی عزت، ان کے دین، ان کے آئین، اور ان کی ملت کی توہین ہوتی ہے۔ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو ہر مسلمان کے لیے یہی ہے۔ وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، جب تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی جان، مال، اولاد، سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

اور رہی بات کہ کیا اس جرم کے لیے موت کی سزا بہت سخت اور احترام آدمیت کے خلاف ہے؟ تو دست بستہ گذارش ہے کہ جناب اس جرم کی نوعیت کا فیصلہ تو وہی کر سکتے ہیں، جن کو اور جن کے پورے معاشرے کو اس جرم سے نقصان پہنچا یا پہنچ رہا ہو۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے، کردار، اخلاق، صداقت، امانت، عدالت کو مجروح کرنا دراصل دین، ایمان، آئین، ریاست اور پوری امت مسلمہ کو مجروح کرنا ہے۔ اس لیے مسلمان ہی اس معاملے میں مناسب قانون سازی کا حق رکھتے ہیں۔

اور میں ان بھٹکے ہوئے دوستوں کو رحمت کے مفہوم سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے اس سوال کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو کہتے ہیں کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تو گالیاں سن کر بھی، پتھر کھا کر بھی دعا دی اب ان کو گالی دینے والے کو موت کی سزا دی جائے۔ ایسے لوگ جو رحمت کے مفہوم سے آگاہ نہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ جناب رحمت کا تقاضا جہاں عفو درگزر ہے وہاں انصاف بھی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو قذف کے مرتکنین کو کوڑے بھی لگوائے زنا کے مجرموں کو سنگسار کرایا مسلح لشکر لے کر نکلے جس نے بدر کے میدان میں ستر سرداران کو تہ تیغ کیا، اور یہی نہیں فتح مکہ کے دن جب اپنے ہر جانی دشمن کو معاف کیا تو چھ مرتدین اور شاتمین کے قتل کا حکم بھی صادر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایسا نہ کرتے تو فساد پھیلتا، ظلم اور زیادہ برپا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم اپنی ذات کی خاطر نہیں دیا۔ دین اور ملت کے تحفظ کی خاطر دیا۔ جب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایمان کی، دین کی، ملت کی بنیاد ہے اسکی زندگی کی ضمانت ہے تو توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم کو سزا دینا عین رحمت کا تقاضا ہے۔

اور ساتھ ہی علماء حق کا ایک ادنی سا سپاہی ہونے کی حیثیت سے یہ بھی عرض کئے جاتا ہوں کہ شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کے مرتکب افراد کے لیے موت کی سزا کے قانون کی تائید اور حمایت کچھ فقہا و علماء ملاؤں اور جنونیوں ہی کا جرم عظیم نہیں ہے۔ بلکہ وہ اچھے اچھے مغربی تعلیم یافتہ مسلمان حضرات جنھوں نے روح اسلام کو ضائع نہ کیا اور مقام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ رہے اور کسی ہچکچاہٹ

کے بغیر اس مذہبی جنون کے جرم میں شریک رہے۔

غازی علم الدین شہید کو ملا یا فقیہ نہ تھا جس نے راج پال گستاخ رسول ﷺ کو واصل جہنم کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کوئی ملا نہیں تھے جنہوں غازی شہید کا مقدمہ کی پیروی کی۔ وہ علامہ اقبال کوئی ملا نہیں تھے جنہوں نے فرمایا کہ ہم باتیں کرتے رہ گئے اور بڑھئی کا بیٹا غازی علم الدین ہم سے بازی لے گیا۔ اور پھر غازی علم الدین شہید کو قبر میں اتارا اور اس پر نور لحد کی رقص کرتی ہوئی فضاؤں میں یہ شعر کہا!

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے جن کا خون جرم سے بڑھ کر

اور علامہ کے اس شعر کے مصداق بہت سے عاشقان رسول ﷺ جنہوں نے حرمت رسول ﷺ پر جانیں رک قربان کر دیں خواہ وہ غازی عبدالقیوم ہوں یا غازی حق نواز یا غازی عامر چیمہ شہید جن کی داستانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے جو نہ ملا تھے، نہ فقیہ تھے (طوالت کے پیش نظر تفصیلی ذکر کرنے سے قاصر ہوں)۔

لیکن مجھے افسوس ہے ان سچی لیڈروں کی اکثریت پر جو سانحہ گوجرہ جیسی خفیہ سازشوں کی نذر ہو کر قانون توہین رسالت ﷺ کی اندھی مخالفت پر تل گئی ہے۔ اور اپنے اس عمل کی وجہ سے ایک طرف تو وہ مغربی، سامراجی قوتوں کے آلہ کار بن رہے ہیں اور دوسری طرف پاکستان میں اسلام دشمن اور سیکولر عناصر کے دوش بدوش کھڑے ہو گئے ہیں۔

اور اگر وہ سمجھتے ہیں (بقول عیسائی قیادت کے) انہوں نے پاکستانی شہری ہونے کے ناتے پاکستان میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کے لیے اس قانون کی مخالفت کی ہے تو وہ کسی بھول میں ہیں۔ انہوں نے نہایت غلط راستہ اختیار کیا ہے۔ نہ تو بیرونی طاقتوں کی وجہ سے انہیں یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ نہ مغربی عناصر کی وجہ سے کچھ پا سکتے ہیں۔

ان کے لیے درست راستہ یہی ہے کہ وہ محبّ اسلام اور حق پرست علماء اور دینی جماعتوں جو خصوصاً تحفظ ختم نبوت ﷺ کا کام سرانجام دے رہی ہیں ان کے ساتھ گفت و شنید کا آغاز کریں مجھے یقین ہے کہ اس کا حل بھی خوش اسلوبی سے نکل آئے گا۔ لیکن اگر اسی طرح قانون توہین رسالت ﷺ میں ترمیم کی خوش فہمیاں سر اٹھاتی رہیں تو ان کا کفریہ قوتوں کو اس بات کا اندازہ بھی کر لینا چاہیے کہ قانون توہین

رسالت ﷺ پر مخالفانہ درعمل نے جو آئینہ ہمیں دیا ہے اس میں مسلم امت کی قوت کا اصل سرچشمہ بھی عیاں ہورہا ہے۔

یہ سرچشمہ وہی ہے جس کے پیچھے ہمارے دشمن چودہ سو سال سے آج تک لگے ہوئے ہیں۔اور ہماری قوت وتوانائی کا ساماں، اس اسلحہ،قرض اور امداد میں نہیں ہے جو ہمارے دشمن ہمیں خود فراہم کرنے کے دعویدار ہیں۔

یہ سرچشمہ روز اول سے ہی دل مسلم میں مقام مصطفیٰ ہے اور ملت کی پوری کی پوری زندگی میں اتباع اور اطاعت مصطفیٰ سے منصوب ہے۔اور تاریخ کا اسٹیج "اسلام اور مغرب" کے معرکہ کیلئے ایک مرتبہ پھر تیار ہورہا ہے۔ بظاہر ہمارا اور مغرب کا کیا مقابلہ ہے؟ نہ ہمارے پاس اسلحہ، نہ ٹیکنالوجی، نہ معاشی ترقی، نہ اتحاد، نہ لیڈرشپ، نہ منزل، اور نہ ہی مقصد۔لیکن یہ سب کچھ بھی ہمیں حاصل ہوکر رہے گا۔اگر ہم سب ایک ہوکر قوت اور توانائیکے اس سرطشمہ تک پہنچ جائیں۔

آخر میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ میرے ان جذبات اور خیالات سے واقف ہوکر کچھ لوگ مجھے بنیاد پرستی یا "بنیاد پرست" کے لقب سے بھی نوازیں گے مگر مجھے نہیں معلوم کہ بنیاد کے معنی کیا ہیں۔لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ ہماری بنیاد حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس، آپ کی لائی ہوئی کتاب، آپ کی سنت اور آپ کا اسوہ حسنہ ہے۔میں اور میرے اکابر جو اس بنیاد کے ناتے "بنیاد پرست" ہیں فی الحقیقت سب سے بڑھ کر ترقی پسند ہیں۔

مگر افسوس مغربیروشن خیالی کے دعویدار، راہ موت اور ذلت کے وارث، محمد عربی ﷺ کے ان خاک نشینوں کا رتبہ کیا جانیں۔جنہیں پہلے بھی زندگی حضور اکرم ﷺ کے دم سے ملی تھی اور آج بھی آپ کا دامن پکڑ کر آپ ﷺ کا مشن پورا کرنے کی تگ ودو سے اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے ہی ملے گا۔

جانتا ہوں میں مشرقکی اندھیری رات میں　　بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستین
عصر حاضر تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف　　ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر　　حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

قناعت ہی اچھی ہے

محمد عامر

(۱):۔مشہور اُموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک ایک بار حج کے لئے مکہ آیا، اس نے دیکھا کہ کعبہ کے سامنے ایک بزرگ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ قرآن پاک پڑھ رہے ہیں۔ تلاوت کرتے ہوئے وہ اس قدر مستغرق ہیں کہ اِرد گرد کی کوئی خبر نہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ سلیمان ان بزرگ کی قدرومنزلت سے واقف تھا، وہ طواف سے فارغ ہو کر ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

وہ بزرگ خلیفہ کی موجودگی سے بے نیاز اپنی کیفیت میں ڈوبے تلاوت کلام پاک کرتے رہے۔ خلیفہ انتظار کرتا رہا، جب ان کی تلاوت میں چند لمحوں کا وقفہ آیا تو اس نے آگے کی جانب جھک کر انہیں سلام کیا، جواب ملنے پر خلیفہ نے دھیمے لہجے میں پوچھا ”آپ کی اپنی کوئی ضرورت ہو تو مجھے بتائیے، میں پوری کروں گا“۔

جواب میں خاموشی چھائی رہی۔ خلیفہ نے یہ سمجھا کہ شاید میری بات سنی نہیں گئی۔ اس بار اس نے زیادہ قریب ہو کر پوچھا کہ آپ کی اپنی کوئی ضرورت ہے تو آگاہ کریں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بزرگ گویا ہوئے

”واللہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ بزرگ و برتر کے گھر میں بھی اس کے علاوہ کسی اور سے سوال کروں“

یہ جواب سن کر خلیفہ شرمندگی سے خاموش ہو کر بیٹھ رہا۔ نماز ہوگئی اور وہ بزرگ باہر آئے تو خلیفہ ان کی جانب بڑھا اور برابر پہنچ گیا اور کان میں بولا ”جناب اب تو ہم اللہ کے گھر سے باہر آ گئے ہیں اس لئے آپ کی جو بھی ضرورت ہو بیان فرما دیجئے“

ان بزرگ نے پوچھا کونسی ضرورت؟ دنیاوی ضروریات میں سے کوئی بیان کروں یا آخرت کی ضروریات میں سے کوئی ضرورت؟“

خلیفہ نے جھینپ کر جواب دیا دنیاوی ضرورت۔ اس پر وہ بزرگ دھیمے مگر مضبوط لہجے میں بولے ”میں تو اس ذات سے بھی دنیاوی ضروریات طلب نہیں کرتا جو ان کا مالک ہے، اس شخص سے کیسے مطالبہ کر سکتا ہوں جو ان کا مالک ہی نہیں“۔

خلیفہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ اس نے اپنے حواریوں سے کہا ”اللہ آلِ خطاب پر رحم فرمائے، زہد و تقویٰ نے انہیں کس قدر معزز بنا رکھا ہے۔

اللہ عزوجل کے کافی ہو جانے کے خیال سے یہ دنیا سے کس قدر بے نیاز ہو گئے ہیں۔ یہ بزرگ سالم بن عبداللہؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرزند اور حضرت عمرؓ کے پوتے تھے۔

(۲):۔ یمن کے رہنے والے مشہور تابعی بزرگ حضرت طاؤس بن کیسانؒ کا زہد و تقویٰ اور قناعت بھی فقید المثال تھی۔ انہوں نے کبھی اُمراء سے کوئی توقع نہ رکھی اور نہ ہی اس امید میں کبھی دربار خلافت کا رُخ کیا۔ حضرت عطاء بن ابی رُباحؒ راوی ہیں کہ ایک بار انہوں نے مجھے نصیحت کی کہ

”اے عطاء اپنی ضروریات اس کے پاس نہ لے جاؤ جس نے تمہاری وجہ سے اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں اور وہاں چوکیدار بٹھا رکھے ہیں،

بلکہ اپنی حوائج اس ذات (اللہ) کے سامنے پیش کرو جس نے اپنے دروازوں کو تمہارے لئے کھلا چھوڑے رکھا ہے اور تم سے مطالبہ کر رکھا ہے کہ تم اس سے مانگو اور وعدہ کیا ہے کہ تم اس سے مانگو گے تو وہ تمہیں عطا کرے گا۔

حضرت طاؤسؒ کی اپنی بیٹی کو کی گئی نصیحت بھی بڑے مشہور ہے، کہا بیٹا اہل عقل کے پاس بیٹھو گے تمہارا تعلق و انتساب ان کی طرف ہوگا، خواہ تمہارا شمار ان میں نہ ہوتا ہو،

جاہلوں سے دور رہو کہ اگر تم ان کے پاس بیٹھو گے تو تمہارا تعلق ان ہی کے ساتھ بیان کیا جائے گا، خواہ تم ان میں سے نہ ہو۔

جان رکھو کہ ہر چیز کا بہترین درجہ ہوتا ہے اور آدمی کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اس کا دین مکمل اور اخلاق باکمال ہوں۔

حضرت طاؤسؒ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی، مگر ان کا ذہن آخری لمحوں تک مستعد اور فعال

رہا۔آخری ایام میں ان سے ملنے کوئی مسافر آیا،حضرت طاؤسؒ پر نقاہت طاری تھی،طویل گفتگو کرنے کی ہمت نہیں تھی،

کہا اگر کہو تو میں تمہیں تورات،زبور،انجیل اور قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ بتادوں،پھر حضرت طاؤسؒ نے فرمایا

''اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرو کہ تم سے زیادہ دنیا کی کوئی چیز اللہ سے ڈرنے والی نہ ہو اور اللہ سے اپنے اس خوف کی بنا پر انتہائی پُر امید رہو،اور لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو''۔

(۳):۔قاضی شریحؒ جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے سے لے کر خلفائے بنی امیہ تک ساٹھ سال تک قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔

ایک بار ایک شخص اپنے کسی دوست کی ناانصافی اور زیادتی کا شکوہ کر رہا تھا کہ قاضی شریحؒ نے سن لیا،وہ فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب لے گئے اور کہا کہ

''برادر زادے اللہ کے سوا کسی سے اپنا شکوہ بیان نہ کرو،اگر وہ دوست ہوا تو تم شکایت کر کے اسے پریشان کرو گے،اگر دشمن ہوا تو وہ اس پر خوش ہوگا۔

میری آنکھ کی طرف دیکھو اس کی بینائی ختم ہو چکی ہے،پندرہ برس سے میں نے اس آنکھ سے کوئی شخص دیکھا نہ راستہ،لیکن تیرے علاوہ آج تک کسی اور کو نہیں بتایا،

جب بھی کوئی مصیبت آئے تو اللہ سے شکایت کرو اور اسی کو اپنا غم خوار بناؤ،وہی بہترین ذات ہے جس سے سوال کیا جائے تو رد نہیں کرتا اور دعا کی جائے تو رائیگاں نہیں جاتی''۔

انہی قاضی شریحؒ نے ایک بار کسی آدمی کو کسی دوسرے سے کچھ مانگتے دیکھا تو کہا

''برادرزادے،جس نے کسی انسان سے حاجب پوری کرنے کے لئے سوال کیا تو سمجھو کہ اس نے اپنے آپ کو غلامی کے لئے پیش کر دیا۔

جس سے مانگا جائے وہ اگر اس کی ضرورت پوری کر دے تو اس نے مانگنے والے کو اپنا غلام بنا لیا۔اگر وہ ضرورت پوری کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو دونوں ذلیل ہو کر اپنی اپنی راہ لیں گے،ایک بخل کی ذلت اٹھائے گا اور دوسرا سوال پورا نہ ہونے کی ذلالت۔

سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو، مدد مانگو تو اسی سے مانگو، اس لئے کہ اللہ کی توفیق کے بغیر انسان بُرائی سے بچ سکتا ہے نہ نیکی کا فعل انجام دے سکے گا''۔

(۴):۔ دنیا کی حقیقت کے بارے میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا ایک مختصر بیان حیران کن تاثیر کا حامل ہے۔

حضرتؒ سے کسی نے دنیا کی حقیقت کے بارے میں پوچھا، حضر حسن بصریؒ نے فرمایا اس گھر کا کیا حال بتاؤں جس کا آغاز مشقت و تکلیف سے ہوتا ہے اور اختتام فنا سے۔ اس کے حلال کا حساب دینا ہوگا اور حرام کا عذاب بھگتنا ہوگا۔

یہاں جس کو خوشحالی میسر آتی ہے وہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے اور جو مفلس ہوتا ہے وہ اپنی مفلسی پر افسوس کرتا ہے۔ ایک اور آدمی کو بطور نصیحت کے کہا

، ہم نے دین کو سکیڑ کر رکھا ہے اور دنیا کو پھیلا رکھا ہے۔ ہم میں سے ایک ٹیک لگا کر دنیا میں دوسروں کے مال کو ہڑپ کیئے جاتا ہے، اس کا یہ کھانا دوسروں سے چھینا ہوا ہوتا ہے۔

نمکین کے بعد میٹھا، ٹھنڈے کے بعد گرم اور خشک کے بعد تر طلب کرتا ہے، حتیٰ کہ حلق شکم سیری کے باعث بدہضمی کا شکار ہو کر ہاضمہ والی دواء طلب کرتا ہے۔

اے نادان تو نے یہ کھانا ہضم نہیں کیا اللہ کا دین ہضم کیا ہے۔ تجھے اپنا ہمسایہ نظر نہیں آیا جو ضرورت مند تھا۔ تیری قوم کا وہ یتیم کہاں رہ گیا جو بھوکا تھا؟ وہ مسکین اور مصیبت زدہ کیا ہوا جو سائلانہ نظروں سے تجھے دیکھ رہا تھا۔

اللہ نے جو تجھے تلقین و وعظ کیا اس کا کیا بنا؟ کاش تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری زندگی کے دن معدود ہیں۔

جب ایک دن کی روشنی تجھ سے غائب ہوتی ہے تو تیری عمر کا ایک دن کم ہو جاتا ہے اور تجھ سے اپنا حصہ لے کر چلا جاتا ہے''۔

مسلمانوں کا اعتدال

آجکل میڈیا میں انتہاء پسندی، شدت پسندی اور دہشت گردی کے خلاف ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے، ہر طرف ایک ہی آواز ہے وہ یہ کہ شدت پسندی اور دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے، اگرچہ کچھ مقتدر حلقے (خصوصاً مسلمان) اس بات کا بڑی شدت سے مطالبہ کررہے ہیں کہ انتہاء پسندی اور دہشت گردی کی تعریف کی جائے، تاکہ اس کا سدباب کیا جائے، حقیقت میں دیکھا جائے تو اس کی تعریف روزانہ امریکہ اور اس کے حواری اپنی زبان اور عمل سے کررہے ہیں، جہاں پر مذہبی شدت پسندی کا نام آتا ہے تو فوراً مسلمان ہدف بن جاتا ہے، اور دنیا کے کسی بھی گوشے میں دہشت گردی ہو جائے تب بھی مسلمان ہی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج دنیا کے تمام غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کو تنگ کیا جارہا ہے، ان کی عبادتگاہوں ان کے مدارس اور انکی تمام ویلفیئر تنظیموں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔

اسلام نے تو اس چیز کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اس کی تو کھلی تعلیم اور مسلمانوں کو انتہائی تاکید یہ ہے کہ کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ تم سختی سے انصاف اور سچائی پر قائم رہو وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اور کسی قوم کی عداوت و بدخواہی تمہیں بے انصافی پر آمادہ نہ کردے۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ کسی ملک میں مسلمانوں پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے دوسرے ممالک میں ظالم قوم کے افراد سے اس کا بدلہ کبھی نہیں لیا، ہاں اگر مسلمانوں نے اپنے میں ہمت پائی تو ان ہی ظالموں کی سرکوبی کے لئے اسی ملک پر حملہ کیا لیکن بے قصوروں سے اس کا بدلہ کبھی نہیں لیا،

مسلمانوں کا ابتدائی دور تو ایک مثالی دور ہے اس زمانہ میں مسلمانوں نے جس حیرت انگیز عدل و انصاف اور اصول پرستی کا ثبوت دیا وہ تو آج کل کی فضا میں عقل و قیاس سے بھی بالاتر ہے لیکن بعد کے دور میں بھی اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

پندرھویں صدی عیسوی میں محمد فاتح عثمانی حکومت کا بہت ہی مشہور تاجدار گزرا ہے اس کے

عدل وانصاف کی گواہی مسلمان مؤرخین کے علاوہ عیسائی مؤرخین بھی دیتے ہیں۔ محمد فاتح کا ایک ہمعصر بادشاہ اولاد چہارم ولاچیا میں حکومت کرتا تھا، وہ شخص اتنا ظالم تھا کہ ظلم کرنے میں اسے مزا ملتا تھا۔ جتنی بُری طرح سے وہ کسی کو قتل کرا سکتا تھا، اس سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ ہزاروں مسلمانوں کو اس نے قتل کرادیا۔

قتل کا سب سے پسندیدہ طریقہ اس ظالم کے نزدیک یہ تھا کہ زندہ آدمی کے بدن میں میخیں ٹھونکوا دیتا اور ان کے تڑپنے کو دیکھ کر خوش ہوتا۔ مولاچیا میں بہت سے مسلمان عثمانی تاجر آباد تھے۔ اس نے ان سب کو قتل کرادیا یہ خبریں جب قسطنطنیہ پہنچیں تو وہاں کے مسلمان اس ظلم سے چیخ اُٹھے، لیکن اس کا بدلہ انہوں نے وہاں کی عیسائی رعایا سے نہیں لیا بلکہ سلطان نے خود ولاچیا پر حملہ کیا اور ولا شکست کھا کر بھاگ گیا۔

اگر سلطان محمد فاتح ولا کے مظالم کا بدلہ اپنی عیسائی رعایا سے لینا چاہتا تو اسے کون روک سکتا تھا۔ لیکن وہ اسلامی احکام وتعلیمات کی روشنی میں ان کے حقوق کو سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ یہ بے قصور ہیں، اگرچہ اس کے دورِ حکومت میں بہت سے عیسائی ممالک میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہے تھے لیکن خود اس کی عیسائی رعایا آرام سے زندگی بسر کر رہی تھی، اس نے انہیں ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی، وہ خود عیسائیوں کے گرجا کا سرپرست تھا، پادری اور گرجا کے دوسرے عہدے دار تمام ٹیکسوں سے بری تھے۔ اس بات کی عام اجازت تھی کہ وہ اپنے قومی معاملات اپنی عدالتوں میں لے جائیں۔

ان کے نکاح اور وراثت کا قانون جوں کا توں باقی رکھا گیا تھا۔ لارڈ ایورسلے کا بیان ہے کہ سلطان محمد نے عیسائی رعایا کو جتنے حقوق دے رکھے تھے وہ اور کسی یورپین حکومت نے نہیں دیئے۔ انہیں کبھی مسلمان ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔

سولہویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ میں سلیمان اعظم قانونی (۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء) حکومت کر رہا تھا اس وقت یورپ میں ہر جگہ سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹایا جا رہا تھا۔ اسپین میں اس وقت آخری مسلمان بادشاہ ابوعبداللہ تھا۔ آپس کے اختلافات کی وجہ سے اسپین کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی، مسلمان عیسائیوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور بہت جلد اسپین پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر جتنے ظلم مسلمانوں پر کیئے ہیں وہ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

انہوں نے مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا جنہوں نے عیسائی ہونے سے انکار کیا انہیں زندہ جلادیا گیا۔ مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کی انہوں نے ٹھانی تو ان کے مدرسے اور کتب خانے برباد کر دیئے اور شاہی عمارتیں قبریں اور مسجدیں تک کے برابر کر دیں۔

افریقہ کے ساحلی شہر ٹیونس پر عیسائی فوجیں چارلس کی سرکردگی میں حملہ آور ہوئیں۔ مسلمانوں نے شکست کھائی چارلس شہر میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اس وقت فتح کی بدمستی میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ یہ جاندار ہیں۔ اس نے آنکھیں بند کر کے تیس ہزار باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت کی بحری تجارت عربوں کے ہاتھ میں تھی عرب تاجر جہازوں کے ذریعہ مصر سے یورپ کا سامان ہندوستان لاتے اور یہاں سے وہاں لے جاتے۔

لیکن اسی زمانہ میں عیسائی ملاح واسکوڈی گامانے ہندوستان کا نیا راستہ دریافت کر لیا تو انہوں نے عربوں کے ہاتھ سے تجارت چھین لینے کی ہر ممکن کوشش کی اور ذلیل سے ذلیل حرکتوں سے نہ چوکے......اس لئے انہوں نے عرب جہازوں پر حملے کرنا شروع کئے۔ عرب، حبش، ہندوستان، فارس کے ساحلی مقامات پر حملے کئے اور غیر مسلموں کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں اور عربوں کے ہاتھ اپنا اسباب نہ فروخت کریں۔

ملیبار کے مویلہ تاجروں پر بڑی زیادتیاں کیں اور حجاز کے ساحلی شہروں پر قبضہ جمایا اور ہندوستان میں سندھ سے لے کر مدراس و گجرات اور بمبئی تک کے بندرگاہوں پر دھاوے کئے۔ ساحلوں اور جزیروں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ مسجدیں توڑ توڑ کر کلیسا بنائی جا رہی تھیں کالی کٹ کے راجہ کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو عرب آنے جانے سے روک دے۔ کوچین اور ساحل ہند پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو عیسائی کیا اور مسجد کو کلیسا بنایا اور پھر رفتہ رفتہ عرب کے سواحل عدن، ہرمز، پریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل میں سے گوا، جبول، وایل، ریپ دمن، مہائم وغیرہ کو تاخت وتاراج کیا۔

کالی کٹ پر حملہ کر کے شہر کو لوٹ لیا اور وہاں کی جامع مسجد کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہی حال انہوں نے عرب کے ساحلی مقامات کا کیا، حج کے بحری مسافر قزاقوں کے ہاتھوں سے بمشکل جان بچا سکے تھے، گوا کی مشہور بندرگاہ سلطنت بیجا پور سے چھین لیا اور سلطان گجرات کی تمام بندرگاہوں پر

غارت گری شروع کردی جدہ اور عدن پر کئی حملے کئے۔

لیکن اسی زمانہ میں عثمانی حکومت سے عیسائی جہاں کہیں بھی تھے خوش تھے اور آرام سے تھے۔ نہ تو ان کی کہیں تجارت بند کی جارہی تھی اور نہ کوئی گرجا توڑ کر مسجد بنائی جارہی تھی، اس وقت عثمانی سلطان سلیمانی اعظم قانونی کی حکومت میں مسلم اور غیر مسلم ہر رعایا کے حقوق یکساں محفوظ تھے۔ عیسائیوں اور یونانیوں پر کبھی زیادہ محصول نہیں لگایا گیا۔ اس کی عیسائی رعایا اتنے آرام سے رہتی تھی کہ وہ آرام انہیں عیسائی حکومتوں میں بھی نصیب نہیں تھا۔

کریسی کا بیان ہے کہ سلطنت عثمانیہ سے متصل جو عیسائی ممالک تھے وہاں کی عیسائی رعایا بھاگ بھاگ کر وہاں چلی آتی تھی، سلیمان اعظم کے زمانہ کے ایک مصنف کا بیان ہے کہ ’’میں نے گروہ در گروہ ہنگروی دہقانوں کو اپنے جھونپڑوں میں آگ لگا کر اور اپنے بیوی بچے، مویشی اور سامانِ کاشت کو لے کر ٹرکی کے علاقے میں پناہ لیتے ہوئے دیکھا ہے جہاں وہ جانتے تھے کہ عشر کے علاوہ اُن پر اور کسی قسم کا محصول یا تکلیف دہ بار عائد نہ کیا جائے گا۔ غیر ملکی تاجروں کو ہر قسم کی سہولتیں ٹرکی میں حاصل تھیں ان کے جان و مال اور مذہب کی محافظ حکومت تھی، ان پر بھاری بھاری محصول نہیں لگتے تھے۔

سوچنے کی بات ہے کہ کیا سلیمان اعظم اپنے ان مسلمان بھائیوں کا بدلہ جو اسپین، پرتگال، گوا، عدن، کالی کٹ وغیرہ میں برباد کئے جارہے تھے اپنے ملک کی عیسائی اور یونانی رعایا سے نہیں لے سکتا تھا؟ مگر اس نے یہ سوچا کہ یہ چیز اسلام اور قانون انسانیت کے خلاف ہے۔ ان بے قصوروں کے قتل کرنے سے ظالموں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

یہ عدل و انصاف، یہ حقوق کا خیال، مظلموں کی یہ اعانت اور محکوم اقلیت کی ذمہ داری کا یہ احساس کچھ خاص اسی زمانہ میں نہ تھا، بلکہ ہمیشہ ہی مسلمانوں نے ظلم کا بدلہ رحم سے دیا ہے۔ بے قصوروں پر کبھی بھی ہاتھ نہ اٹھایا خصوصاً بچوں، عورتوں، مریضوں اور بوڑھوں کی حفاظت کو ہمیشہ اپنا فرض جانا۔ ۱۰۹۹ء میں سب سے پہلے بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا، کئی ہفتہ تک وہ اس مقدس شہر میں قتل عام کرتے رہے۔ صرف مسجد اقصیٰ میں 70000 ستر ہزار مسلمان قتل کئے گئے، عیسائی مسلمانوں کو آگ میں زندہ جلاتے تھے گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے

تھے۔ مقتول مسلمانوں کو قتل کرتے تھے، بچوں بوڑھوں اور جوانوں میں کوئی امتیاز باقی نہ تھا۔ جلدی مارنے کے لئے کئی کئی آدمیوں کو ایک ہی رسی میں لٹکا دیتے تھے۔ بیت المقدس کے راستے میں ہر جگہ سروں، ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس کے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں، عیسائی سپاہی جب حضرت سلیمان کی عبادت گاہ میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا، آٹھ روز تک قتل عام کا یہ بازار گرم رہا۔ عورتیں بچے، بوڑھے سب مارے گئے۔ لیکن اس ظلم کا بدلہ کسی دوسرے ملک کے کمزور اور زیر قابو عیسائیوں سے نہیں لیا گیا۔ بیشک اپنے ملک میں تو بدلہ لے سکتے تھے مگر انہوں نے اپنی پیشانی کو اس بدنما داغ سے صاف رکھا بلکہ ان تمام واقعات کو جاننے کے بعد بھی وہ اپنی عیسائی رعایا کو آرام سے رکھے ہوئے تھے، اس وقت ترکی کا بادشاہ سلیمان ثانی ۱۰۹۹ء تا ۱۰۶۳ء اس کے وزیر مصطفےٰ کو پریلی کو اس کا بہت خیال تھا کہ اس کی غیر مسلم رعایا پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے۔ اس نے انہیں پوری مذہبی آزادی دے دی تھی۔

جزیہ کے علاوہ ان پر کوئی محصول نہ تھا، اس سے پہلے انہیں اسلامی حدود میں نئے گرجے تعمیر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن اس نے انہیں نئے گرجے بنانے کی بھی اجازت دی۔ اور انہوں نے اس نرمی سے فائدہ اٹھایا۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ کسی نے عیسائی رعایا پر ظلم کیا ہے تو وہ اسے سخت سزا دیتا۔

پانچویں صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں عیسائی بہت بڑھ رہے تھے، وہ جہاں بھی مسلمانوں کو کمزور پاتے انہیں ہر طرح ستاتے، سوداگروں کو لوٹ لیتے، عیسائیوں کا مشہور سردار ریجی نالڈ تو اپنے ظلم میں آج تک مشہور ہے کہ عیسائی مؤرخ لین پول اسے مکار اور قزاق کہتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ عہد و پیمان کا قطعی خیال نہ کرتا تھا۔ اس کے وعدے وقتی ہوتے تھے امن پسند مسلمانوں کو ستانے میں اُسے خاص مسرت ہوتی تھی، تاجروں حاجیوں کے قافلے وہ اکثر لوٹ لیا کرتا تھا۔ اس کی چیرہ دستی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ اس نے مکہ میں خانہ کعبہ اور مدینہ میں روضۂ نبوی کو مسمار کرانے کا ارادہ کیا اور اس خیال سے ایک فوج بھی لے کر چلا تھا۔ لیکن راستے ہی میں مسلمانوں نے اسے شکست دے دی اور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، صلح کے زمانہ میں بھی وہ مسلمانوں کو

ستانے سے نہ چوکتا، ایک مرتبہ اس نے دوران صلح میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو گرفتار کرلیا اور آزادی مانگنے پر اس نے جواب دیا کہ "تم تو محمد کو مانتے ہو انہیں سے کہو کہ آ کر چھڑا لیں۔"

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمان شہر عکا میں گھر گئے عیسائیوں کا محاصرہ اتنا سخت تھا کہ سلطان صلاح الدین باہر سے مسلمانوں کو کوئی مدد نہیں پہنچا سکتا تھا۔ کچھ دنوں تک تو مسلمان ڈٹے رہے لیکن تابکے! رسد ختم ہو جانے پر شہر کو حسب ذیل شرائط پر عیسائیوں کے حوالہ کر دیا۔

(۱) مسلمان اپنے مال ومتاع کو لیکر نکل جائیں گے۔

(۲) مسلمان دو لاکھ اشرفیاں صلیبوں اور چودہ ہزار اشرفیاں صور کے حاکم کو دیں گے۔

(۳) صلیب اعظم عیسائیوں کو واپس کر دیں گے۔

(۴) پانچ سو ممتاز صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔

صلح نامہ مکمل ہو گیا تو مسلمانوں نے شہر کا دروازہ کھول دیا عیسائیوں نے شہر میں داخل ہوتے ہی بدعہدی کی۔ انہوں نے کہا جب تک آخری تین شرطیں مسلمان پوری نہ کر دیں گے۔ ہم مسلمانوں کو شہر سے باہر نہ نکلنے دیں گے۔ سلطان صلاح الدین نے بہت کوشش کی کہ صلیبی اپنے وعدوں کا پاس کریں لیکن انہوں نے اپنے عہد نامہ کا کوئی خیال نہیں کیا اور جتنے مسلمان روپیہ دے سکتے تھے انہیں جانے دیا اور باقیوں کو انہوں نے قتل کر دیا۔

اس وقت کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا یہ اس کا بہت مختصر اور مجمل تذکرہ ہے اور اس کی حیثیت مشتے نمونہ از خروارے سے زیادہ نہیں ہے لیکن اسی کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین کی رواداری ملاحظہ ہو۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے یہاں کی عیسائی رعایا سے ان مظالم کا پورا پورا بدلہ لے سکتا تھا۔ لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس کا دامن اس آلائش سے ہمیشہ پاک رہا۔

عکا میں عیسائیوں کے داخلہ کی داستان ابھی آپ نے پڑھی اور حضرت مسیح کے ماننے والوں نے شرائط کی جس طرح پابندی کی اسے آپ نے دیکھ لیا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین نے اسلامی تعلیم کا جو نمونہ اپنے عمل سے پیش کیا وہ یہ تھا کہ سلطان نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ کچھ دنوں تک تو عیسائیوں نے مقابلہ کیا لیکن جب اپنے میں ہمت نہ پائی تو سے اس شرط پر معاہدہ ہوا کہ عیسائی ہر مرد کی طرف سے دس دینار، اور ہر عورت کی طرف سے پانچ دینار اور ہر بچہ کی طرف سے دو

دینار دے کر شہر سے چلے جائیں گے۔ چالیس دن کے اندر جو لوگ نہ جائیں گے وہ غلام بنا لئے جائیں گے۔ اس شرط کے بعد بیت المقدس کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے گئے۔

اس وقت اگر مسلمان چاہتے تو عکا کے اپنے بھائیوں کا بدلہ لے سکتے تھے۔ کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو انہیں اس سے روک سکتی لیکن وہ مسلمان تھے، اسلامی احکام کے پیرو تھے اور وعدہ کی اہمیت کو جانتے، اس وجہ سے خود سلطان نے اپنے اہتمام سے اور اپنی نگرانی میں تمام عیسائیوں کو شہر سے نکالا ہر طرف گلی کوچوں میں اس کے سپاہی پھیلے ہوئے تھے کہ کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرنے پائے۔ بہت سے عیسائی چالیس دنوں میں شہر چھوڑ کر چلے گئے، لیکن ایسے بھی بہت تھے جو اتنی حقیر رقم کا انتظام بھی نہیں کر سکتے تھے، سلطان اور اس کے دوسرے امراء نے ایسے بہت سے لوگوں کو خود خرید کر آزاد کر دیا۔ بہتوں کو مسلمانوں نے اپنی جیب سے یہ رقم دی تا کہ وہ اسے بطور فدیہ دے کر آزاد ہو جائیں۔ وہی ریچی نالڈ جو ہمیشہ مسلمانوں کا دشمن رہا اور بابر سلطان کو زک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی بیوہ جب سامنے آئی تو سلطان اس کے شوہر کی تمام بدعنوانیوں کو بھول گیا اور اس کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آیا۔ ریچی نالڈ کا لڑکا دمشق میں قید تھا اس کے متعلق سلطان نے وعدہ کیا کہ وہ اسے رہا کر دے گا۔

سلطان کی اس رحمدلی سچائی اور پابندی عہد کا خود عیسائی مؤرخین کو بھی اقرار ہے۔ لین پول فتح بیت المقدس کے تمام واقعات لکھنے کے بعد لکھتا ہے کہ:۔ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں اپنی وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آ جاتی ہیں جو ہم نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں۔ اس وقت فاتح عیسائیوں نے مسلمانوں کو بھیڑ بکری سے بھی زیادہ حقیر سمجھا تھا۔ انہیں یروشلم کے بازاروں میں زندہ گھسیٹتے تھے، زندہ ہی آگ میں جلا دیتے تھے۔ چھتوں سے دھکیل دیتے تھے۔ غرض کہ اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا اور عیسائیوں نے اس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا۔ جہاں پر مسیح نے رحم محبت کا وعظ کیا تھا۔ یہ ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں اس پر رحم ہوتا رہا ہے۔'' غرض کہ مسلمانوں کا ہمیشہ یہی دستور رہا ہے کہ ظلم کا بدلہ ظالم ہی سے لیتے تھے، کبھی بھی انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ اپنے ملک میں بسنے والے غیر مسلموں کو قتل کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے ملک کا گرجا کبھی بھی اس لئے نہیں توڑا کہ کسی دوسرے ملک میں مسجد شہید کر دی گئی ہے۔

کائنات کی تخلیق کے سلسلہ میں فلسفۂ قدیم اور سائنسی نظریات کی تردید اور اسلامی نظریہ تخلیق کا اثبات و احقاق

قسط 5

(یعنی) قبل المسیح پانچ سو سے لے کر بیسویں صدی تک کائنات کے بارے میں مشہور فلسفیانہ و سائنسی نظریات کی مکمل تردید اور اسلامی نظریہ تخلیق کائنات کا قرآن و حدیث اور علماء حق کے اقوال کی روشنی میں مدلل اثباتی بیان

حذیفہ وستانوی

کائنات کے متعلق سائنسدانوں کا نظریہ:

(الف) کائنات اور ہماری زمین کی پیدائش کے بارے میں جو نظریہ اکثر انسائیکلوپیڈیا زیا معلومات عامہ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور مغربی ذوق اور فیشن کے موافق ہے کچھ اس طرح سے ہے۔

شاید ابتداء میں یہ تمام کائنات، فضا میں پگھلے ہوئے مواد کا کھولتا ہوا بے انتہا سمندر تھا۔ اور آخر کار یہ سیال مادہ منجمد ہو کر اجرام فلکی کی صورت اختیار کر گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شروع شروع میں فضائے عالم میں نور ہی نور تھا۔ جو کہ بعد از اں قوت میں تبدیل ہو گیا۔ یہ قوت بہت زیادہ عرصہ فضا میں بے حرکت پڑی رہی، اس وقت موجودہ کائنات کے کوئی آثار نہیں تھے، ایک مدت کے بعد یہ قوت سیال گیس کی طرح کے روشن مواد کی شکل اختیار کر گئی، جو کہ فضا میں یکساں پھیلی ہوئی تھی۔

مسر ہُبل نے بیان کیا ہے کہ ایک طاقت، کشش ثقل اس بے انتہا گیسی سمندر کے درمیان پھینکی گئی، اب ہر ایک ذرّے کے لئے فضائے کائنات میں توازن رکھنے کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ ہمسایہ ذرّات کے ساتھ مل کر قوتِ کشش کا صحیح توازن رکھے۔ اور جو ذرّہ اپنی ابتدائی جگہ سے ہل گیا۔ اس کے لئے اپنی پہلی حالت دوبارہ حاصل کرنا ناممکن ہو گیا۔ کشش ثقل کے باعث جو ہلچل پیدا ہوئی اس سے تمام فضا میں پھیلا ہوا گیسی مواد لاکھوں کروڑوں منجمد اشیاء کی صورت اختیار کر گیا ہر تکثیف کی مرکزی کشش ثقل نے اس کے ذرات کو پیوستہ رکھا ان منجمد اشیاء نے کشش ثقل کے لحاظ سے بے توازن اور متزلزل ہونے کے باعث گھومنا شروع کر دیا، ان کی گردش نے کچھ ایسی محرک قوتیں پیدا کیں جنہوں نے ان اشیاء کو سنبھال لیا اور کششِ کے متزلزل اثر پر قابو پا لیا۔

اب ہر تکثیف کے اجزاء نے محوری گردش اختیار کی یعنی اس کے مرکز کے گرد گھومنا شروع

کردیا، کشش ثقل کے توازن کے لئے یہ لازمی تھا، اس پتلے مواد کی مجموعی گردش نے ایک اور تغیر پیدا کیا۔ یہ منجمد اجسام نارنگی نما چپٹی شکل اختیار کر گئے، جوں جوں محوری گردش بڑھتی گئی۔ ان کا چپٹا پن بڑھتا گیا۔ یہ اجسام محوری گردش کے ساتھ ساتھ سکڑتے بھی گئے اور گردش کی رفتار بھی بڑھتی گئی یہ محوری گردش اور سُکڑ پن جاری رہے حتیٰ کہ یہ اجسام چھوٹے چھوٹے اجسام میں بٹتے رہے، جو کہ بالآخر ستاروں اور سیاروں کی شکل میں موجود ہوئے۔

زمین کیسے بنی: (ب) ہماری زمین ایک سیارہ ہے، اس بات پر عام اتفاق ہے کہ یہ سیارے نامعلوم ستارے کی کششِ ثقل کی وجہ سے سورج سے نکلے ہوئے سیال گیسی ثقل کے مواد سے بنے تھے، وہ نامعلوم ستارہ سورج کے بہت قریب پہنچا، اس نے اپنی کشش کے ذریعے سورج میں گیسی بادل اپنی طرف کھینچے، اس سے یہ حادثہ غالباً تین ارب برس پہلے واقع ہوا، اس گیسی مواد نے اپنے منبع یعنی سورج کے گرد گھومنا شروع کردیا،

آہستہ آہستہ یہ گیس ٹھنڈی ہو کر ٹھوس شکلیں اختیار کرتی گئی جس سے بڑے بڑے تودے بن گئے۔ جو سیارے کہلاتے ہیں، زمین کا گیسی مواد چوں کہ سورج کے مقابلے میں کم تھا اس لئے بہنے والی پگھلی ہوئی چیز کی شکل اختیار کر گیا، اگلا مرحلہ پگھلے ہوئے مادہ کا ٹھوس شکل اختیار کرنا تھا۔ مزید ٹھنڈک، پچک، دباؤ اور پپڑی جمنا، ٹوٹ پھوٹ اور کھینچا تانی جاری رہی، آخر کار زمین کی سطح غاروں، وادیوں اور پہاڑوں کی شکل اختیار کر گئی، اسی زمین کے جسم سے بخارات اُٹھ اُٹھ کر، بادل بن بن کر ایسے برسے کہ بڑے بڑے گڑھے سمندروں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

سائنسی نظریات کا مختصر جائزہ: یہ اقتباسات پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس قسم کے نظریات اور خیالات کا مقصد دل کو بہلانا اور اپنے قیمتی وقت کو یعنی عمر عزیز کو ضائع کرنا ہے۔

یاد رکھنا چاہئیے کہ وہ حقائق جو انسان کے سائنسی تجربات کے دائرے سے خارج ہوں اور انسانی عقل، حواس یا وجدان کے بارے مین کوئی اٹل اور قطعی فیصلہ کر سکتی ہو ماوراء الطبیعات کہلاتے ہیں، اب یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔

کہ کسی انسان کے سائنسی تجربات کے لئے دو شرائط ضروری ہیں:

۱/ اتحادِ زمانی: پہلی شرط یہ ہے کہ تجربہ کرنے والا آدمی یا سائنسداں اور وہ زیر تجربہ امور ایک ہی زمانے یا وقت میں موجود ہوں۔

اب اس اصول کا عملی اطلاق کر کے دیکھئے یہ بات بخوبی ذہن میں آجائے گی کہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے، چوں کہ وہ اس کی عقل، فکر اور نظر سے پوشیدہ ہے۔ اسی لئے انسان اس کائنات، آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب اور سیاروں یا ستاروں کی پیدائش کے متعلق کوئی قطعی رائے یا نظریہ قائم نہیں کر سکتا، اگر کوئی رائے یا نظریہ قائم کر بھی لے تو وہ محض تخمینی، ناقص اور غیر یقینی ہو گی۔

اسی طرح یہ بات بھی انسان کے وسائل اور ذرائع معلومات سے باہر ہے کہ حیات Life کا آغاز کب اور کس طرح ہوا۔ یا انسان کب بنا اور کیسے اس دنیا میں آیا۔ یا انسان سے پہلے کیا تھا وغیرہ وغیرہ، یہ تمام امور انسان کے لئے غیبات میں سے ہیں، انسان نہ حیات کے حیات کے آغاز کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ کائنات کے بارے میں، یعنی ان مسائل میں محض خیال آرائی بے سود ہو گی۔

اسی شرط کے تحت یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسان مرنے بعد کے واقعات کو بھی سائنسی یا عقلی تجربات سے نہیں معلوم کر سکتا، کیوں کہ حال کا سائنس داں مستقبل کے عالم آخرت، عالم قبر و برزخ کے ہم زمان نہیں، (تجربہ کنندہ اور زیر تجربہ امور کا ایک ہی وقت میں ہونا ضروری ہے۔)

۲۔ دوسری شرط یہ ہے سائنس جن چیزوں یا امور اور اعمال (Processes & Phenomena) کو زیر تجربہ لانا چاہے وہ چیزیں کثیف ہوں یعنی جسامت اور ہیئت و کمیت کے اعتبار سے انسانی حواس کے ترازو میں تولنے کے قابل ہوں، انسان ان کو چھو یا سونگھ، چکھ، سُن اور دیکھ سکے لہٰذا لطیف اشیاء تک سائنس کے تجربات یا تحلیل و تجزیے کی رسائی ناممکن ہے، ایسی چیزیں خالقِ کائنات کی ذات، ملائکہ و جنّات، روحِ انسانی، دل کے اندر کا یقین اور عقائد، اخلاق و اعمال انسانی کا اچھا یا بُرا ہونا، اور انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں نیک و بد اعمال کے فوائد اور نقصانات یہ تمام امور سائنسی تجربات کی حدود سے خارج ہیں، ان کو روحانیت کہا جاتا ہے، ان کا علم قطعی صرف وحی اور الہام سے حاصل ہوتا ہے۔

وحیِ الٰہی انسانی عقل سے متصادم ہرگز نہیں، بلکہ جس طرح انسانی آنکھ کی اندرونی قوت باہر کی قدرتی روشنی کے بغیر بے فائدہ اور ناکام ہوتی ہے، اسی طرح انسانی داخلی عقل و بصیرت بھی وحیِ الٰہی کی روشنی کے بغیر اٹکل پچو اور اندھا دُھند چلتی ہے، اور انسان کے فائدے کے بجائے اس کی دائمی تباہی اور بربادی کا سبب بنتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ انسان سے پہلے ہونے والے واقعات یا انسان کے مرجانے کے بعد کے واقعات اور روحانیات کے بارے میں سائنس ناکام ہے کیوں کہ ماوراء الطبعیات (تخلیق کائنات وحیات) اور روحانیات دونوں اس کے دائرہ کار سے خارج ہیں، ان مسائل کے بارے میں محض اپنی عقل اور رائے سے کچھ کہنا اندھے کی لئے اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے اور عقلِ سلیم رکھنے والے انسان کے لئے کسی طرح بھی زیبا نہیں۔ (دہریت اور اسلام ۶۹ تا ۷۲)

میرے اندازے کے مطابق کائنات کے افکار و نظریات باطلہ اور اس کی تردید کے لیے اتنا کافی ہے۔ میرا ارادہ کوئی کتاب لکھنا نہیں ہے بلکہ مقالہ یا مضمون لکھنا ہے اس سے زیادہ طوالت مناسب نہیں اگرچہ تحریر کردہ مواد بھی طوالت کے دامن سے خالی نہیں مگر بہر حال اطول تو نہیں ہے۔

اب آئے اسلام تخلیق کائنات کے متعلق کیا نقطۂ نظر رکھتا ہے اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے ایک بات واضح انداز میں سمجھ لیں بلکہ ذہن نشین کرلیں کہ نظریۂ کائنات کے بارے میں اسلام اور مغرب کے درمیان فرق ہے، وہ یہ کہ مغرب ہمیشہ ساری توجہ کائنات پر ہی مرکوز دیکھتا آیا ہے،

اور اپنی زندگی کے قیمتی اوقات اور عمر عزیز کو کائنات پر وحی سے جدا ہو کر غور وفکر کرنے میں صرف کرتا آیا ہے، یہاں تک کے مذہب کا تصور بھی کسی نہ کسی قسم کے نظریۂ کائنات پر ہی رکھا جاتا رہا۔ گویا نظریۂ کائنات مذہب کا لازمی اور غالب جز رہا اس لیے جب بھی کائنات کے بارے میں سائنسی تصور بدلا تو مذہب کو براہِ راست زک پہنچی اس کے برخلاف اسلام کے عقائد اور علم کلام کی بنیاد کسی کائناتی نظریہ پر نہیں یہ بات الگ ہے کہ احوال زمانہ سے متاثر ہو کر بعض متکلمین اپنے زمانہ کے نظریہ کائنات کو اسلام کے موافق یا مخالف ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر ایسا بہت کم ہوا، اسی لیے نظریۂ کائنات کے ردو بدل سے اسلام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

اسلام نے انسان کو تعلیم دی ہے کہ ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ'' کہ میں نے انسان کو اور جنات کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ تو اصل مقصد عبادتِ الٰہی ہے، کائنات پر غور وفکر محض ایک ذیلی چیز ہے، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے تخلیق کائنات پر کوئی بحث نہیں کی، بلکہ اسلام نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں تخلیق کائنات پر خوب اچھی طرح روشنی ڈالی ہے، تو آئے اب ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کا نظریہ تخلیق کائنات جانتے ہیں ''اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ''

تخلیق کائنات قرآن وحدیث کی روشنی میں:

ہم مسلمان ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے وہی معبود برحق ہے وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا اور پالنہار ہے وہی جلانے والا اور موت دینے والا ہے، وہ بڑا حکیم علیم خبیر اور بصیر ہے اس نے کسی بھی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی چیز کو بے سود اور بے کار پیدا نہیں کیا۔ قرآن کا اعلان ہے ''مَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا بَاطِلاً'' وہ مکمل قدرت رکھنے والا اور طاقت رکھنے والا ہے اس نے انسان کو اشرف الخلائق بنا کر اسے بے سہارا نہیں چھوڑ دیا،

بلکہ اس کی صحیح رہنمائی کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا۔ اور ان پر وحی نازل فرما کر اپنے علم محیط سے انسان کی تمام ضروریات کا صحیح حل بیان کیا، انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ وحی کو تسلیم کرے اور اس کی رضا کے خاطر اپنی خواہشات کی قربانی دے، اس لیے کہ اصل مقصد تخلیق انسانی یہی ہے کہ انسان تمام موانع کے باوجود مجاہدہ اور ریاضت کر کے اللہ کا ہو کر رہ جائے۔

عقل انسانی بہر حال ایک محدود دائرے تک پرواز کر سکتی ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی اس لیے اللہ نے محض اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے انسان کو ضلالت اور بے راہ روی سے بچانے کے لے وحی کو نازل کیا، جس میں ہر ضروری چیز کی وضاحت موجود ہے، قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، جو بصورت وحی بواسطہ جبریل علیہ السلام نبی آخر الزمان احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ جس میں قیامت تک کے پیش آنے والے تمام مسائل ضروریہ کے اصول اور جزئیات ضروریہ کو بیان کر دیا گیا ہے،

جہاں قرآن وحدیث نے عقائد عبادات معاشرت وحقوق معاملات اور اخلاق کو بیان کیا

وہیں تخلیق کائنات پر بھی خوب روشنی ڈالی، اوراس سے متعلق ضروری معلومات کو بیان کردیا، قرآن کریم کی تقریباً ایک ہزار آیات اس موضوع پر نازل ہوئی جو قرآن کا سدس ہوتی ہے۔

کائنات کی تخلیق کا صحیح قصہ اور واقعہ اللہ ہی بیان کرسکتا ہے کیوں کہ وازلی ہے وہی خالق اور رب بھی وہ علیم وبصیر اور قدیر بھی اس نے اپنے ارادے اور قدرت سے بڑی ہی حکمتِ عملی کے ساتھ کائنات کو پیدا کیا، تو ظاہر ہے اس کے علاوہ کوئی اس موضوع کا حق ادا نہیں کرسکتا، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا تخلیق کے وقت نہ تھا، جب تھا ہی نہیں تو بیان کیسے کرسکتا ہے!! اسی لیے اسلام نے آسمان وزمین کی خلقت اس کی ساخت اور اس کے حیرت انگیزی پر تفکر وتدبر کی دعوت تو دی مگر یہ نہیں کہا کہ تم یہ اندازہ لگائے بیٹھو کہ یہ کب پیدا ہوئے؟ کتنے سال پہلے وجود میں آئے؟ اور کب ختم ہوں گے؟ اس کی اصل کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں قرآن وحدیث میں اس کے متعلق اتنا تو بیان کردیا گیا جتنا جاننے کی انسان کو ضرورت تھی، لہٰذا اب ہم کسی فلسفے کے سہارے کے بغیر محض قرآن وحدیث کی روشنی میں تخلیق کائنات پر مختصراً کچھ تحریر کرنے جارہے ہیں، تاکہ عصر حاضر میں مغرب کے غلبے کی وجہ سے اور دین سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں میں نظریۂ ڈارون، نظریۂ فرائڈ، نظریۂ وجودیت، نظریۂ اضافت، نظریۂ بیگ بانگ وغیرہ سے تخلیق کائنات کے بارے میں جو بداعتقادیاں پیدا ہوگئی ہیں اس کا ازالہ ہوسکے اور اسلام کا صحیح موقف سامنے آئے تاکہ ہمارا ایمان ویقین مضبوط ہو اور ہم دنیا وآخرت میں سرخ رو ہوں، اللہ مجھے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر موت تک باقی رکھے اور ہر طرح کی ضلالت وگمراہی سے بچائے آمین یارب العالمین۔

قرآن اور قصۂ خلق:

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے ”اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْل“ (سورۂ زمر ۶۲) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن ص ۱۴۲۶)

اسی آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کو اللہ نے علیحدہ علیحدہ پیدا کیا ہے، اگر ترقی یافتہ اصول کارفرما ہوتے تو کہا جاتا کہ ”اَللّٰہُ خَالِقُ شَیْءٍ“ یعنی اللہ کسی کوئی ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے، یا جو عنصر پہلے پیدا کیا گیا ہوتا اسے بیان کردیا جاتا مگر ”کُلُّ شَیْءٍ“ نے اس بات کی طرف صاف

صاف رہنمائی کی ہے کہ نظریۂ ارتقاء کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور نہ کوئی دوسرا نظریہ کیوں کہ کسی میں کہا گیا ہے پہلے پانی، کسی میں پہلے ہوا، کسی میں پہلی آگ، کسی میں پہلے ذرہ، کسی میں پہلے صفر وغیرہ سب محض اٹکل پچو اور ٹامک ٹوئیاں ہیں۔ حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں،

حقیقت قرآن نے بیان کی ہے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا اللہ ہے معلوم ہوا وہ خالق اور اس کے ماسوا مخلوق ہے وہ ازلی ہے

اور اس کا ماسوا عدم سے وجود میں لایا گیا ہے اور وہی تمام اشیاء کو وجود دینے والا ہے تمام چیزیں اس کے زیر تسلط ہیں کوئی چیز اس کی قدرت اور علم سے باہر نہیں اس کا تصرف ہر چیز میں کارفرما ہے، خود بہ خود کچھ نہیں ہوا ہے اور نہ ہو رہا ہے اور نہ ہوگا! کیا ایک انسانی عقل اس کو قبول کرسکتی ہے؟ کہ اتنی حیرت انگیز کائنات محض اتفاق سے یا ددھما کہ سے وجود میں آ گئی؟ نہیں نہیں اور ہرگز نہیں۔ عقل انسانی اتنی گئی گذری بھی نہیں کہ وہ اتنی موٹی چیز کو نہ سمجھ سکے مگر اس کے باوجود اگر کوئی اسے تسلیم کرے تو میں نہیں سمجھتا کہ اسے اپنے آپ کو انسان عاقل اور اشرف المخلوقات کہنے کا حق حاصل ہو بلکہ قرآن کے بیان کے مطابق ''اِنَّھُمۡ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلّ'' کہ لوگ تو جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنَ الضَّلَالِ۔

حدیث سے قصۂ خلق:

عن عمران ابن حصين رضى الله تعالى عنه قال: قال اهل اليمن لرسول صلى الله عليه وسلم جئناک لنفقه فى الدين ونسألک عن اول الامر فقال: كان الله ولم يكن شيء قبله وكان عرشه على الماء رواه البخارى.

(البداية والنهاية ص ۲۰)

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ یمن کے باشندوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کی خدمت میں دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے اور کائنات کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت کی ذات اکیلی تھی اور کائنات کا نام ونشان نہ تھا اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

مسلمان اپنے دورِ حکومت میں

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کا طرزِ عمل

اسلامی نظریہ کے مطابق حکومت کے حاکم اور دیگر عناصر سے بننے والے پورے سماج پر ربانیت کی چھاپ ہوتی ہے اور ہر شخص مفاد خویش سے بالکل دستبردار ہو کر اپنی صلاحیتوں کو اپنے جذابت کو اپنی دولت کو اپنے آرام کو اپنی محبتوں کو اور اپنی ساری دلچسپیوں کو مفادِ عامہ کی خاطر کر دیتا ہے ۔معاشرے پر امن ہوتا ہے، حاکم واطہر، آقا وزیر دست اپنے ماتحتوں کے محافظ، امین، محبوب اور ہر دل عزیز نظر آتے ہیں۔

پھر یہاں کیوں نہ امن ہو کیوں نہ خوشحالی ہو، کیوں نہ اطمینان وسکون ہو۔ کیوں نہ آزادی ہو۔ کیوں نہ ضمیر وعقیدہ کے لئے حقیقی سکون ہو، کیوں نہ آزادی ہو۔ کیوں نہ ضمیر، عقیدہ کے لئے حقیقی سکون ہو، کیوں نہ اتحاد ہو، استحکام ہو، کیوں نہ ایسا سماج ہو جو دشمنوں کے لئے فولاد سے زیادہ مضبوط ،ایک سیسہ پلایا ہوا قلعہ ہو جو اپنے دفاع میں مضبوط، اپنی حفاظت میں خود اعتمادی اپنی پالیسی میں مستحکم اور کیوں نہ اس سماج کے اندر ایسے افراد ہوں جو سماج کی فلاح و بہود اور اس کے استحکام و دفاع کے لئے اپنے مال و زر کیا اپنی زندگی آخری رمق تک قربان کرنے کے لئے مرغ بسمل کی طرح مضطرب و بے چین ہوں۔

اس وقت ہم اس ربانی سماج کی چند جھلکیاں پیش کرنا چاہتے ہیں جو اموی خلیفہ پنجم عمر بن عبدالعزیز کے تیس ماہی درو حکومت میں قائم ہوا تھا۔ جس میں ایثار و ترجیح امانتداری انصاف، وعدالت اجتماعی کفالت، شفقت ورافت لحاظ واحترام وغیرہ جیسے تمام اوصاف موجود تھے۔

آپ ایک کنبہ میں پہنچے جہاں لوگوں کی دعوت کا سامان کیا گیا تھا۔ آپ کے سامنے ایک طشتری لائی گئی جس میں بادام چلغوزے جیسے میوے رکھے تھے۔ آپ نے پوچھا۔ اسی طرح کی چیزیں اور طشتریوں میں بھی ہیں؟ کہا گیا نہیں! فرمایا تو پھر اسے میرے سامنے سے دور کردو۔

ابن ابی زکریا آپ کے پاس آئے اور کہا۔ امیر المومنین میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں فرمایا۔ کہو کیا باتیں ہیں ''ابن ابی ذکریا نے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے اہلکاروں کو تین تین سو دنیا و تنخواہ دیتے ہیں؟ فرمایا ہاں ''ابن ابی ذکریا نے پوچھا، کیوں ''فرمایا اس لئے کہ وخیانت نہ کرسکیں۔''

آپ نے گورنروں کے یہاں حکم نامہ بھیجا کہ مقروضوں کے قرضے ادا کر دیئے جائیں۔ آپ کے پاس جوابات موصول ہوئے کہ ہمیں ایسے مقروض ملتے ہیں۔ جن کے پاس، گھر، خادم گھوڑا اوراس کے گھر مین اچھا خاصہ سامان بھی ہے فرمایا یہ ایک مسلمان کے ضرورت کی اشیاء ہیں کہ اس کے پاس ایک گھر ہووج اس کی پناہ گاہ ہو۔ ایک نوکر ہو جو اس کے کام میں مدد گار رہو۔ ایک گھوڑا ہو جس پر وہ اپنے دشمن کے ساتھ مصروف جہاد ہواوراس کے گھر میں سامان بھی ہو۔ ایسا شخص ضرور مقروض کے حکم میں داخل ہے۔ اس کا قرض ادا کردو ایک شخص آپ کے پاس آیا آپ نے اسے ۸ درہم دے کر ایک کمبل خرید لانے کو کہا وہ شخص کمبل لے کر آیا تو آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ارے کس قدر ترم و نازک اور خوبصورت ہے۔'' اس پر وہ شخص بے تحاشا ہنس پڑا۔ آپ نے کہا تم احمق ہو کیوں بلا وجہ ہنس رہے ہو۔ اس شخص نے جواب دیا بات بس اتنی ہے کہ اس سے پہلے کب کہ آپ امیر المومنین نہیں تھےتو آپ نے مجھے بازار سے ریشم کی ایک شال خریدنے کو بھیجا تھا۔ میں یہ شال آٹھ درہم میں خرید کر جب آپ کے پاس حاضر ہوا تھا تو آپ نے اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''اف کسی قدر کھر دری ہے اور آج آپ آٹھ درہم کے کمبل کو نرم و نازک فرما رہے ہیں۔ بس اسی بات پر مجھے ہنسی آ گئی۔

ایک شب کچھ حضرات اپنی ضرورتوں سے آپ کے پاس موجود تھے۔ آپ کا چراغ اس اثناء میں ٹمٹانے لگا تو آپ نے اٹھ کر اس کی بتی ٹھیک کر دی۔ لوگوں نے کہا امیر المومنین ہمارے ہوتے ہوئے آپ یہ زحمت کیوں فرمائی؟ فرمایا کیا فرق ہو گیا۔ جس وقت میں بتی ٹھیک کرنے کے لئے اٹھا تھا۔ اس وقت بھی عمر بن عبدالعزیز ہی تھا اور جس وقت واپس ہوا تو اس وقت بھی وہی عمر بن عبدالعزیز ہی رہا۔ آپ عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی بچیوں کے یہاں آیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ آئے تو یہ بچیاں اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر دروازے کی طرف بھاگیں۔ دایہ سے پوچھا کیوں کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ آج شام کے کھانے میں صرف مور اور پیاز تھی۔ چنانچہ انہیں گوارا نہ ہوا کہ اس کی بو آپ تک پہنچ سکے۔ آپ زار و قطار رونے لگے فرمایا۔ بیٹیو! تمہارے لئے اس میں فائدہ کی کون سی

بات تھی کہ تم انواع و اقسام کے کھانے کھاتیں اور تمہارا باپ جہنم میں بھیجا جاتا اس پر آپ کی صاحبزادیاں رونے لگیں۔

آپ کے گھر کے اندر باہر سے آئے ہوئے لوگ گفتگو کے لئے بیٹھے ہوتے۔اور آپ کسی شدید ضرورت کے تحت لوگوں کو واپس کرنا چاہتے ہوں تو انہیں چلے جانے کا حکم نہیں فرماتے بلکہ کہتے ''ہاں اگر آپ حضرات چاہیں تو میں یہ کام کرلوں۔

آپ نے جبان دائی مصر کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مصر میں بار بردار اونٹوں پر ایک ہزار رطل کا بوجھ لادا جاتا ہے۔اس خط کے ملنے کے بعد پھر میرے کانوں تک آواز نہ پہنچے کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ کا بوجھ لادا گیا ہے۔

ولید بن ہشام کو قنسرین کا والی اور فرات بن مسلم کو قنسرین کے خراج کا تحصیل دار مقرر فرمایا۔ولید کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ فرات یہاں کے تحصیل دار ہیں چنانچہ اس نے چار اشخاص کو اس شہادت کے لئے آمادہ کیا کہ فرات ترک نماز کا مجرم ہے۔بحالت اقامت وتندرستی روزہ نہیں رکھتا۔ غسل جنابت کرتا نہیں ہے۔اور اپنی بیوی کے ساتھ بحالت حیض مباشرت کرتا ہے۔

قنسرین کے یہ چاروں اشخاص آپ کے پاس آ کر مذکورہ بالا امور کی شہادت پیش کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا ''ترک نماز کا جہاں تک تعلق ہے ہوسکتا ہے فرات نے عمداً یا بھول کر نماز ترک کر دی ہو۔تم اسے روزہ نہ رکھتے ہوئے تو دیکھتے ہو لیکن تمہیں کیا علم کہ اسے کوئی بیماری لاحق نہ ہو رہی ہو۔ باقی غسل جنابت نہ کرنے اور بحالت حیض بیوی کے ساتھ جماع کرنے کا علم تمہیں کیونکر ہوا؟ بہرحال یہ بہت ہی عظیم بہتان ہے۔فرات یقیناً پاک دامن و امین ہے۔غلام! ان حضرات کو داروغہ زندہان کے پاس لے جاؤ کہ وہ ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر بیس کوڑے لگائے دانتوں پر کوڑے نہ لگنے پائیں۔ بس اتنی رسوائی ان کے لئے کافی ہے۔اس کے بعد آپ نے ان سے ضمانت طلب کر لی تا کہ فرات ان سے اپنا حق وصول کر سکے۔یا تو انہیں معاف کرے یا اپنا حق وصول کر لے۔عفو و درگزر ہی تقویٰ سے زیادہ قریب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سامان تقرب ہے۔

دوسرے سال ولید چند روسا قنسرین کے ساتھ آپ کے یہاں وارد ہوا تو آپ نے فرات کو بلوا بھیجا،فرات آئے اور آپ کے تخت کے پیچھے بیٹھ گئے۔اس اثناء میں روساء قنسرین آپ کی مجلس

میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے کہا بولو! اپنے امیر کے یہاں تک پہنچنے میں تم نے کیا کیا سامان سفر اس کے لئے مہیا کیا تھا؟ انہوں نے پوچھا کیا وہ یہاں آئے ہوئے ہیں''؟ آپ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا امیر المومنین! ہمارے خیال میں تو وہ یہاں نہیں آئے۔ اس کے بعد آپ ولید کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ولید۔ ایک شخص جو قنسرین اور سرزمین قنسرین کا مالک و مختار ہے۔ اپنی مملکت میں سفر کرتا ہوا یہاں تک اس حالت میں پہنچا ہو کہ اس کا علم کسی کو نہ ہو اس نے کسی کا تزک و احتشام اختیار نہ کیا ہو۔ یقیناً عفیف و پاک دامن ہوگا۔

ولید نے کہا ہاں بخدا اے امیر المومنین وہ پاک دامن ہیں اور میں ظالم ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے طالب مغفرت و عفو ہوں'' آپ نے فرمایا'' کتنا حسین ہے یہ اعتراف خوب! اور اس کے بعد دونوں کو اپنے اپنے عہدہ پر آپ نے واپس کر دیا۔ ولید نے ایک مرتبہ آپ کے یہاں لکھا۔ میں نے اپنے شریہ کا اندازہ لگایا تو پتہ چلا کہ یہ اپنی ضرورت سے زیادہ ہے لہذا اگر امیر المومنین چاہیں تو اس قدر شہریہ سے کم کر دیں۔ یہ ایک ریاکاری کا اظہار تھا جو آپ سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ ولید نے اپنی پاکیزگی نفس کا ایک مظاہرہ کیا ہے۔ اگر میں ظن و تخمین کی بنیاد پر کسی کو معزول کر دیتا۔ آپ نے اس کا شہریہ اسی قدر کم کر دیا اور یزید بن بعد الملک کو جو ولی عہد تھے لکھا'' ولید ابن ہشام نے میرے یہاں ایک خط بھیجا ہے میرا خیال ہے کہ اس کے اندر اس نے اپنے خطوط خمداء کی نمائش کی ہے اگر آپ کا قول تھا۔ ہمارے خیال میں کسی امام کو تجارت نہ کرنی چاہیئے۔ اور نہ کسی اہل کار کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے حدود کار میں کسی طرح کی تجارت کرے۔ اس لئے کہ بنراء کار جب بھی تجارت کرے گا خوہ وہ کتنا ہی ضبط سے کام لے مگر خود غرضی یا ظالمانہ طریقوں کو اختیار کرنے پر مجبور سا ہو جائے گا۔

تعارف

جامعہ ملیہ اسلامیہ (المسجلہ)

بانی
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

حضرت سید نفیس الحسینی
شاہ صاحب رحمہ اللہ

☆ جامعہ ہذا حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ نے قیام پاکستان کے بعد قائم کیا۔

☆ جامعہ ہذا میں طلباء وطالبات کیلئے علوم دینیہ کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

☆ جامعہ ہذا میں وفاق المدارس کے نصاب کے ساتھ بی اے تک تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔

☆ جامعہ ہذا میں بیرونی طلباء بھی قیام پذیر ہیں، ان کے قیام وطعام اور جملہ اخراجات کا جامعہ کفیل ہے۔

☆ جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ ہی جامعہ کی کوئی جائداد ہے۔

☆ جامعہ کے اخراجات آپ حضرات کی مخلصانہ توجہ، تعاون اور دعاؤں سے پورے ہوتے ہیں۔

لہذا تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ

زکوٰۃ، صدقات، عطیات،

صدقۃ الفطر اور چرمہائے قربانی

سے جامعہ کے طلباء کی امداد فرمائیں۔

ترسیل زر بنام مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد
فون 041-8711569

MONTHLY MAGAZINE
Millia
JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16
MOHALLAH KHALSA COLLEGE FAISALABAD Ph:041-8711569
E-mail: milliafsd@hotmail.com Fax # 041-8502213